جلدِ دوئم

قرآنِ مجید میں قدیم عہد نامے کے انبیاء

(حصہ اول)

فاروق مرزا ایم ڈی

مخصوص عنوانات اور موضوعات کے مطابق
لکھی گئی قرآن مجید کی سب سے پہلی تفسیر

منجانب
قرآن فاؤنڈیشن

کاپی رائٹ© 2021 فاروق مرزا
جملہ حقوق محفوظ ہیں

انتساب

یہ کتاب محمد اسد کی یاد سے منسوب ہے، جن کے کام کا عنوان " قرآن کا پیغام" تھا اور یہ قرآنی پیغام کو انگریزی میں محاوراتی طور پر اور وضاحتی تفسیر میں پیش کرنے کی پہلی کوشش تھی۔ میرے خیال میں یہ قرآن مجید کا بہترین ترجمہ اور تفسیر ہے۔ محمد اسد (لیوپولڈ وِیس) جولائی 1900 میں لووف شہر (جرمن میں لیمبرگ) میں پیدا ہوئے، جو اب پولینڈ میں ہے، اور جو اس وقت آسٹریا کی سلطنت کا حصہ تھا۔ وہ یہودی عالموں کی ایک لمبی لڑی کی اولاد میں سے تھے، وہ لڑی جو ان کے والد نے توڑی، اور وہ بیرسٹر بنے۔ اسد نے وہ مکمل مذہبی تعلیم حاصل کی جو انہیں خاندان کی یہودی عالموں کی روایت کو زندہ رکھنے کے قابل بنائے۔ وہ 1922 میں یروشلم میں موجود اپنے چچا کے ساتھ یورپ سے مشرق وسطیٰ کے لیے روانہ ہوئے جس کا مقصد صرف ایک مختصر دورہ کرنا تھا۔ وہاں انہوں نے کچھ عربوں سے ملاقات کی اور یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کس طرح اسلام نے ان کی روزمرہ زندگیوں کو وجودی معنی، روحانی طاقت اور اندرونی سکون سے متاثر کیا ہے۔

بائیس سال کی کم عمری میں وِیس جرمنی اور یورپ کے سب سے معتبر اخبارات میں سے ایک فرینکفرٹر زیتونگ کے نامہ نگار بن گئے۔ ایک صحافی کے طور پر، انہوں نے بہت سفر کیے، عام لوگوں کے ساتھ گھل مل گئے، مسلم دانشوروں سے بات چیت کی، اور فلسطین، مصر، اردن، شام، عراق، ایران اور افغانستان کے سربراہان مملکت سے ملاقات کی۔

کچھ سال بعد واپس برلن میں، وِیس ایک شاندار روحانی تجربے سے گزرے جو ابتدائی مسلمانوں میں سے کچھ کے تجربے کی یاد دلاتا ہے- جس نے ان کا ذہن اور ان کی زندگی بدل دی۔

وِیس نے کہا، " قرآن مجید میں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بات سے بھی بڑی بات بیان کی گئی ہے"۔ اس طرح وِیس مسلمان ہو گئے۔ انہوں نے برلن میں شہر کی چھوٹی سی مسلم کمیونٹی کے سربراہ کے سامنے مذہب تبدیل کیا اور پیغمبر کی تعظیم کے طور پر اپنا نام محمد رکھا- اور اس کے ساتھ اپنے پرانے نام لیوپولڈ کی یاد دہانی کے طور پر اسد نام رکھا جس کا مطلب ہے "شیر" - لیوپولڈ شیر کے لیے استعمال ہونے والے لاطینی لفظ سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ اسد نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں میں چھ سال گزارے، جہاں انہوں نے عربی، قرآن، حدیث -رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روایات اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے نہ صرف علمی مطالعہ کے ذریعے عربی زبان میں مہارت حاصل کی، بلکہ اس قبیلے کے ساتھ رہ کر بھی سیکھا جو قرآن مجید والی عربی بولی بولتے تھے۔ اسّی سال کی عمر میں، سترہ سال کی کوششوں کے بعد، انہوں نے وہ کام مکمل کیا جو ان کی زندگی کا خواب تھا اور جس کے لیے انہوں نے محسوس کیا کہ اس وقت تک کی ان کی ساری زندگی شاگردی، ترجمہ و تفسیر یا انگریزی میں قرآن کی تفسیر: " قرآن کا پیغام "لکھنے میں گزری ہے۔

فہرست

فہرست 4

1 اس زندگی میں اللہ کی جانب سے امتحان 9

2 انسان کی ابتداءاور شیطان کی بغاوت 14

3 حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کا زمین میں اترنا 18

4 ہابیل اور قابیل 23

5 حضرت نوحؑ 24

6 حضرت ابراہیمؑ 31

7 حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ 37

8 حضرت لوطؑ 40

9 حضرت یوسف علیہ السلام 46

10 حضرت موسیٰؑ علیہ السلام 57

11 حضرت خضرؑ 88

12 حضرت سموئیلؑ، بادشاہ طالوت اور حضرت داؤدؑ 91

13 حضرت سلیمانؑ 95

14 حضرت الیاسؑ ، حضرت الیسعؑ اور حضرت یونسؑ 102

حوالہ جات

دیباچہ

وحی الٰہی کا تسلسل

اس سلسلے کی دوسری جلد میں قرآن کے وہ تمام اقتباسات شامل ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے پہلے کے انبیاء کا حوالہ دیتے ہیں، جن میں پرانے اور نئے عہد نامے کے انبیاء بھی شامل ہیں۔ عرب انبیاء (ہودؑ، صالحؑ، اسماعیلؑ، شعیبؑ اور ایوبؑ) کو قرآن سیریز کی تیسری جلد میں شامل کیا گیا ہے۔ قرآن بائبل اور عربی انبیاء کے درمیان فرق نہیں کرتا ہے۔ یہ صوابدیدی تقسیم صرف وضاحت کے لیے ہے۔

قرآن مجید کے زیادہ تر اسباق میں سب سے زیادہ عام موضوعات بنی نوع انسان کی اخلاقی تاریخ میں وحی الٰہی کا تسلسل اور ان اسباق سے اخذ کردہ اخلاقی اصولوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا اسلامی عقیدے کا دوسرا حصہ ہے۔ جیسا کہ قرآن ہمیں سکھاتا ہے، زندگی- غیر مربوط چھلانگوں کا ایک سلسلہ نہیں ہے۔ یہ ایک مسلسل ہونے والا، نامیاتی عمل ہے- اور یہ قانون اپنے مجموعی معنوں میں انسان کے مذہبی تجربے پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ لہٰذا، قرآن کے دین کو اس سے پہلے کے عظیم توحیدی عقائد کے تناظر میں بہتر طور پر سمجھا جاتا ہے اور جو مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی حتمی تشکیل کا اختتام اور حصول ممکن بناتے ہیں۔ قرآن کا مذہب یہودیت اور عیسائیت کا تسلسل ہے، جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ مختصر یہ کہ یہودیت یا عیسائیت کے بغیر اسلام کا وجود نہ ہوتا۔

نبی کے لئے عربی لفظ (نبی) آرامی اور عبرانی زبان کی طرح ہی ہے، جو اس کے سامی ماخذ ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ "رسول" کا لقب وحی الٰہی کے علمبرداروں پر لاگو ہوتا ہے، جو ایک نئے نظریاتی نظام پر مشتمل ہوتا ہے۔ البتہ ایک نبی (پیغمبر) اس کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے موجود ان اخلاقی اصولوں پر مبنی اخلاقیات کو بتانے کی ذمہ داری سونپی ہو جو تمام وحی الٰہی میں مشترک ہیں۔ اس لیے ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ "پیغمبر" صرف ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور محمد ﷺ جیسی شخصیات تک محدود ہے، یہ دونوں نبی اور رسول ہیں۔ جب خدا کسی انسان کے ساتھ براہِ راست رابطہ کرتا ہے تو وہ شخص تعریف کے لحاظ سے ایک نبی ہے۔ قرآن مجید میں بیان کیے گئے تمام انبیاء کی فہرست درج ذیل ہے:

1. حضرت آدمؑ، 2. حضرت ادریسؑ، 3. حضرت نوحؑ، 4. حضرت ہودؑ، 5. حضرت صالحؑ، 6 . حضرت ابراہیمؑ، 7. حضرت لوطؑ، 8. حضرت اسماعیلؑ، 9. حضرت اسحاقؑ، 10. حضرت یعقوبؑ، 11. حضرت یوسفؑ، 12. حضرت ایوبؑ، 13. حضرت شعیبؑ، 14. حضرت موسیٰؑ، 15. حضرت ہارونؑ، 16. حضرت داوٗدؑ، 17. حضرت سلیمانؑ، 18. حضرت یونسؑ، 19. حضرت الیاسؑ، 20. حضرت الیسعؑ، 21. حضرت زکریاؑ، 22. حضرت یحییٰؑ، 23. حضرت عیسیٰؑ، 24. حضرت محمد ﷺ۔

ابراہیم کے گھر کے انبیاء

اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے۔ (اور) سب کو ہدایت دی۔ اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں ﴿۸۴﴾ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی۔ یہ سب نیکوکار تھے ﴿۸۵﴾ اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی ﴿۸۶﴾ اور بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی۔ اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا ﴿۸۷﴾ یہ خدا کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے۔ اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے ﴿۸۸﴾ یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت عطا فرمائی تھی۔ اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لئے) ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں ﴿۸۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔ کہہ دو کہ میں تم سے اس (قرآن) کا صلہ نہیں مانگتا۔ یہ تو جہان کے لوگوں کے لئے محض نصیحت ہے ﴿۹۰﴾ (الانعام، 84-90)

(اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی۔ اور ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی اور داؤد کو ہم نے زبور بھی عنایت کی

تھی﴿۱۶۳﴾ اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کئے۔ اور موسیٰ سے تو خدا نے باتیں بھی کیں﴿۱۶۴﴾ (سب) پیغمبروں کو (خدا نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کو خدا پر الزام کا موقع نہ رہے اور خدا غالب حکمت والا ہے﴿۱۶۵﴾ (النساء،4) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔ اور عہد بھی اُن سے پکّا لیا﴿۷﴾ تاکہ سچ کہنے والوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے اور اس نے کافروں کے لئے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے﴿۸﴾ (الاحزاب 7-8)

"پختہ عہد" کا تعلق ہر نبی کے اس عہد سے ہے کہ وہ مقدس فریضہ کے طور پر خدا کا پیغام انسانوں تک پہنچائے اور اس طرح خوش خبری دینے والے اور انتباہ کرنے والے کے طور پر کام کرے۔ پہلے انبیاء میں سے صرف چند کا تذکرہ قرآن مجید میں ان کی ہسٹری کے ساتھ (ایک خاص اخلاقی سبق کے ساتھ) خاص طور پر کیا گیا ہے، جب کہ زیادہ تر پہلے انبیاء کا ذکر صرف عمومی انداز میں اللہ کے اس بیان کی تائید کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ کوئی بھی معاشرہ یا تہذیب پیغمبرانہ رہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑی گئی۔

اور تم سے پہلے کبھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی اور خدا کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں۔ اور تم کو پیغمبروں (کے احوال) کی خبریں پہنچ چکی ہیں (تو تم بھی صبر سے کام لو) (الانعام،34)

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا۔ اور اُن پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (یعنی قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہٴ جنگ کے لحاظ سے) خطرہ بھی شدید ہے۔ اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے خدا اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں خدا ان کو معلوم کرے۔ بے شک خدا قوی (اور) غالب ہے (الحدید،25)

تم سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تم سے پہلے اور پیغمبروں سے کہی گئی تھیں۔ بے شک تمہارا پروردگار بخش دینے والا بھی اور عذاب الیم دینے والا بھی ہے (حم السجدہ،43)

"آپ کے وقت سے پہلے" کا حوالہ دینا قرآن مجید کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے، جو کہ وحی الٰہی کے تاریخی تسلسل کا نظریہ ہے۔ حضرت محمد ﷺ اسلام کے بانی نہیں تھے؛ انہوں نے کوئی نیا مذہب شروع نہیں کیا۔ اپنے پیشروؤں کی طرح، وہ ایک مذہبی اصطلاح کرنے والے کے طور پر آئے تھے۔ محمد ﷺ سے پہلے عیسائیوں اور دیگر مذہبی گروہوں نے عرب مشرکین کی دیوار میں گھسنے کی کوشش کی لیکن کوئی خاص کامیابی نہیں ملی۔ اللہ نے پیغمبر محمد ﷺ کو عرب کے کافروں کے پاس بھیجا تاکہ انہیں ایک حقیقی خدا کی طرف واپس لایا جائے اور اس طرز زندگی کی طرف لوٹایا جائے جسے ان کے ہم عصر لوگوں میں سے زیادہ تر لوگ بھول چکے تھے یا ان سے انحراف کر چکے تھے۔ ایک خدا کی پرستش شرک سے توحید کا ارتقائی ظہور نہیں تھا بلکہ ایک بھولے ہوئے ماضی یعنی نوحؑ اور ابراہیمؑ کے ایمان کی طرف واپس لوٹنا تھا۔ حضرت محمد ﷺ ابراہیمؑ کے گھرانے کے آخری نبی ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کے سب سے بڑے بیٹے اسماعیلؑ کی براہِ راست اولاد میں سے ہیں۔ اپنی تعلیمات کے عالمگیر قابل اطلاق اور ناقابل فہم متن ہونے کی وجہ سے، قرآن وحی کے تمام اختتامی نقاط کی نمائندگی کرتا ہے اور روحانی تکمیل کا حتمی اور کامل طریقہ پیش کرتا ہے۔

تم تو صرف ڈرانے والے ہو﴿۲۳﴾ ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے۔ اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے﴿۲۴﴾ (فاطر،23-24)

خدائے غالب ودانا اسی طرح تمہاری طرف مضامین اور (براہین) بھیجتا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے (الشوریٰ،3)

اور جو کتاب (اے محمد ﷺ) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے (پیغمبروں پر) نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں (البقرہ،4)

اور (ویسی ہی) یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکے اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو آگاہ کردو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی پوری خبر رکھتے ہیں (الانعام،92)

قرآن مجید میں مکہ کو تمام شہروں میں سب سے اہم (روشن، "تمام قصبوں کی ماں") کا لقب دیا گیا ہے، کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ایک واحد خدا کے لئے وقف کردہ

پہلا اللہ کا گھر تعمیر کیا گیا تھا(3:96)اور بعد میں یہ تمام مومنوں کا قبلہ (نماز کی سمت)بن گیا۔"اس کے آس پاس کے لوگوں"کا مطلب تمام انسانیت کی نشاندہی کرنا ہے۔

(کوہ) طور کی قسم ﴿۱﴾ اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ﴿۲﴾ کشادہ اوراق میں ﴿۳﴾ اور آباد گھر کی ﴿۴﴾ اور اونچی چھت کی ﴿۵﴾ اور ابلتے ہوئے دریا کی ﴿۶﴾ (الطور، 1-6)

قرآن میں لفظ الطور (لفظ، "پہاڑی") کا استعمال خاص طور پر اس پہاڑ کو ظاہر کرنے کے لیے ہوا ہے جس پر موسیٰؑ کو فیصلہ کن وحی نازل ہوئی تھی۔"دیرینہ عبادت گاہ" اس کے نبیوں کو عبادت کے ذریعے اس کے قریب لانے کے لیے مسلسل اور براہِ راست وحی بھیجنے کی علامت ہے۔ایک باشعور خالق کے ثبوت کے طور پر ظاہری کائنات کی عظمت اور حیرت انگیز ترتیب(یعنی آسمان کی تہہ) پر غور کریں۔

ایک خدا پر یقین بمقابلہ الوہیت کا دوسروں سے منسوب کرنا

قرآن مجید کے تمام اسباق میں ایک عام موضوع یہ ہے کہ ایک خدا پر ایمان لانے کے عقیدے سے متعلق ناممکنات کو دور کرنے پر زور دیا گیا ہے، جس کی قادر مطلقیت اور ہمہ گیریت ہر اس چیز کو قبول کرتی ہے جو موجود ہے، جس میں خدائی یا نیم خدائی خصوصیات اور افعال کو کسی اور شخص یا کسی اور چیز سے منسوب کیا گیا ہے۔اس مقصد کے لیے خدا نے زمین پر تمام لوگوں کے لیے رسول بھیجے، جن کی شروعات آدمؑ سے ہوئی اور اختتام آخری نبی محمد ﷺ پر ہوا۔

اسلامی روایات کے مطابق ایسے نبیوں کی تعداد ایک لاکھ 24 ہزار تھی، جو ایک علامتی تعداد ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔کوئی بھی معاشرہ یا تہذیب نبوت کی رہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو ان تمام لوگوں کے لئے خوشی اور امید کا پیغام دے کر بھیجا جنھوں نے اس کی پکار کو سنا اور ان لوگوں کے لئے تنبیہ کا پیغام دے کر بھیجا جنھوں نے اس کی پکار کو نظر انداز کیا۔قرآن مجید میں اس حقیقت پر زور دیا گیا ہے کہ خدا کی طرف سے الہام کردہ انبیاء کے ایک طویل سلسلے میں مسلسل ہدایت الٰہی کا ظہور ہوا۔

کیا قرآن بائبل کا حوالہ دیتا ہے؟

قرآن مجید ایک اصل مذہبی الہام ہے، جس کا نقطہ نظر پچھلے صحیفوں سے مختلف ہے۔یہ ہمیشہ بائبل کے ہر نبی کے لئے ایک آزاد بیانیہ دیتا ہے اور کبھی بھی بائبل کا حوالہ نہیں دیتا۔اس جلد کے مصنفین نے وضاحت کے لیے بائبل کے حوالہ جات کو وضاحتی نوٹس میں شامل کیا ہے۔

حصہ اول

قدیم عہد نامے کے انبیاء

1

اس زندگی میں اللہ کی جانب سے امتحان

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ یہ دنیا انسان کی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے، اور انسان کے اصولوں اور اخلاقی ذمہ داریوں کے مطابق کیے گئے تمام شعوری اعمال اور طرز عمل کا فیصلہ آخرت میں کیا جائے گا۔ اس دنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ تمام گناہگاروں کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ اپنے طریقوں پر غور و فکر کر سکیں اور اصلاح کر سکیں۔ تاہم، اس قانون میں یہ گنجائش موجود ہے کہ خدا اس زندگی میں گناہ میں گھری ایک برادری کو سزا دے سکتا ہے۔ اس جِلد اور جِلد سوئم میں بیان کی گئی بہت سی قصوں کے مشترکہ موضوع میں مختلف بُری برادریوں کے بارے میں اس زندگی کے اندر خدا کے فیصلے کی عکاسی کی گئی ہے۔ نوحؑ، لوطؑ، سدوم اور گومورہ کی قوم، بنی اسرائیل، فرعون اور مصر کی قوم سب کو ان کے گناہوں کی سزا اسی زندگی میں دی گئی تھی۔ اسی طرح کا موضوع جلد سوئم میں اہل عرب انبیاء کے لئے بیان کیا گیا ہے: ہود اور عاد کا قبیلہ، صالح اور قبیلہ ثمود، شعیب اور مدیان کے لوگ، شیبہ اور طوبہ کے لوگوں کو ان کی زندگی میں سزا دی گئی تھی۔

مُہلت کی فراہمی

اور اگر خدا لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا۔ تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا۔ لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیئے جاتا ہے۔ سو جب ان کا وقت آجائے گا تو (ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) خدا تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے (فاطر، 45)

(ان سے) پوچھو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے کہہ دو خدا کا اس نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کرلیا ہے وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں ضرور جمع کرے گا جن لوگوں نے اپنے تیئیں نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے (الانعام، 12)

اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں (الاعراف، 156)

خدا کے فضل اور رحمت کی غیر معمولی خوبی کو نہ صرف مغفرت اور مہربانی کے تصور میں مزید زور دیا گیا ہے بلکہ اس نعمت کی بھی اہمیت بیان کی گئی ہے جو لوگوں کو برقرار رکھتی ہے، ان کی حفاظت کرتی ہے اور انہیں انعام دیتی ہے۔

جب ایک پوری کمیونٹی بدعنوانی میں مبتلا ہو

تو جو اُمتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ان میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خرابی کرنے سے روکتے ہاں (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے ان میں سے مخلصی بخشی۔ اور جو ظالم تھے وہ ان ہی باتوں کے پیچھے لگے رہے جس میں عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے (ھود، 116)

اور (کفر کرنے والوں کی) کوئی بستی نہیں مگر قیامت کے دن سے پہلے ہم اسے ہلاک کردیں گے یا سخت عذاب سے معذب کریں گے۔ یہ کتاب (یعنی تقدیر) میں

لکھا جا چکا ہے (بنی اسرائیل،58)

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں ازراہِ ظلم تباہ کردے (ھود، 117)

اور تمہارا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا۔ جب تک اُن کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں (القصص،59)

"سخت مصائب" ان پر ناقابل تغیر قوانین (اس کے فرمان) کے مطابق آسکتے ہیں، جو خدا نے اپنی مخلوقات کے لیے وضع کیے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات معاف کرنے والے اور انصاف کرنے والے کو ظاہر کرتی ہیں۔ تاہم، خدا کی رحمت پر زور دینے کی وجہ سے گناہوں کی اجازت دینے والے خدا کا تصور نہیں ہونا چاہئے۔ خدا کی رحمت اس کے انصاف کے ساتھ جداگانہ طور پر موجود ہے، اور توبہ کرنے والے گنہگاروں کے لئے رحمت کے ساتھ نرمی سے بھری ہوئی ہے۔ تاہم، اس قانون سے استثنٰی اس وقت ہوتا ہے جب پوری برادری گنہگار اور بدعنوان ہو۔

انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں

قرآن مجید نے اپنے ساتھیوں / بھائیوں / بہنوں کے حقوق (حقوق العباد) کی خلاف ورزی کے گناہ کو خدا کے نزدیک غلط عقائد سے زیادہ ناگوار قرار دیا ہے۔ خدا کا عذاب لوگوں کو صرف اس وجہ سے نہیں پہنچتا کہ ان کے عقیدے شرک (دوسروں کے لئے خدائی صفات) پر مبنی ہیں۔ بلکہ یہ انکو اس صورت میں بھی پہنچتا ہے جب وہ اپنے باہمی معاملات میں مسلسل برائی کا ارتکاب کرتے ہیں اور جان بوجھ کر دوسرے انسانوں کے ساتھ ظلم و ستم کر کے انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔

عذاب الٰہی نازل ہونے سے پہلے کی وجوہات

1. صرف اللہ کی جانب سے ہدایت کے بعد ہی اللہ کا فیصلہ

(اے محمد ﷺ!) یہ (جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو) اس لیے کہ تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو (کچھ بھی) خبر نہ ہو ﴿۱۳۱﴾ اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں خدا ان سے بے خبر نہیں ﴿۱۳۲﴾ (الانعام،131-132)

اور تمہارا پروردگار بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا۔ جب تک اُن کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں (القصص،59)

اور ہر ایک اُمت کی طرف سے پیغمبر بھیجا گیا۔ جب ان کا پیغمبر آتا ہے تو اُن میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جاتا (یونس،47)

بھلا اس لئے کہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو ہم تم کو نصیحت کرنے سے باز رہیں گے ﴿۵﴾ اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی بہت سے پیغمبر بھیجے تھے ﴿۶﴾ اور کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آتا تھا مگر وہ اس سے تمسخر کرتے تھے ﴿۷﴾ تو جو ان میں سخت زور والے تھے ان کو ہم نے ہلاک کر دیا اور اگلے لوگوں کی حالت گزر گئی ﴿۸﴾ (الزخرف،5-8)

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی۔ مگر اس کا وقت مرقوم و معین تھا ﴿۴﴾ کوئی جماعت اپنی مدت (وفات) سے نہ آگے نکل سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے ﴿۵﴾ (الحجر،4-5)

خدا لوگوں کو کسی بھی غلط کام کے لیے اس وقت تک سزا نہیں دیتا جب تک کہ وہ انبیاء کے ذریعہ واضح کردہ اخلاقی قوانین کی دانستہ خلاف ورزی نہ کریں۔"ہر معاشرے کے لیے ایک رسول آیا" جس نے انسانیت کی تاریخ میں مذہبی وحی کے تسلسل پر زور دیا اور اس حقیقت پر زور دیا کہ اس طویل مدت کے دوران، کوئی بھی برادری، معاشرہ یا تہذیب نبوت کی رہنمائی کے بغیر نہیں چھوڑی گئی۔

2. مصیبتوں اور اچھے وقتوں کے ذریعے آزمائش

اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔ اور میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے (الحج، 48)

اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے۔ پھر (ان کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں ﴿۴۲﴾ تو جب ان پر ہمارا عذاب آتا رہا کیوں نہیں عاجزی کرتے رہے۔ مگر ان کے تو دل ہی سخت ہوگئے تھے۔ اور جو وہ کام کرتے تھے شیطان ان کو (ان کی نظروں میں) آراستہ کر دکھاتا تھا ﴿۴۳﴾ پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہوگئے تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے ﴿۴۴﴾ غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور سب تعریف خدائے رب العالمین ہی کو (سزاوار ہے) ﴿۴۵﴾ (الانعام، 42-45)

3. آخری تنبیہ اور آخری سزا

مزید یہ کہ ہم رسول بھیجنے سے پہلے [کسی قوم کے غلط کام کرنے پر] عذاب نہیں دیں گے۔

جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے لئے اختیار کرتا ہے۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے گمراہی کا ضرر بھی اسی کو ہوگا۔ اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے ﴿۱۵﴾ اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے۔ پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا۔ اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا ﴿۱۶﴾ (بنی اسرائیل، 15-16)

پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے نامعتقد ہوئے ﴿۸۴﴾ لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ (یہ) خدا کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے۔ اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ گئے ﴿۸۵﴾ (غافر، 84-85)

"اللہ کا راستہ" یا اللہ کی سنت قرآنی اصطلاح ہے جس کا مطلب خالق کی طرف سے قائم کردہ قدرتی قوانین کی مکمل وضاحت ہے: یہاں، قانون یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایمان کی کوئی روحانی قیمت نہیں ہے جب تک کہ یہ حقیقی طور پر باطنی روشنی سے پیدا نہ ہو۔

4. گنہگاروں کی تباہی اور راستبازوں کی نجات

اور ہم تمہارے ہم مذہبوں کو ہلاک کر چکے ہیں تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ ﴿۵۱﴾ اور جو کچھ انہوں نے کیا، (ان کے) اعمال ناموں میں (مندرج) ہے ﴿۵۲﴾ (القمر، 51-52)

پھر ہم نے ان کے بارے میں (اپنا) وعدہ سچا کر دیا تو ان کو اور جس کو چاہا نجات دی اور حد سے نکل جانے والوں کو ہلاک کر دیا ﴿۹﴾ ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے ﴿۱۰﴾ (الانبیاء، 9-10)

قدیم، نازل شدہ صحیفوں یا (اللہ کی) حکمت کی کتابوں نے ان پر نیکی اور بدی کے معنی واضح کر دیے تھے۔ پھر بھی، انہوں نے جان بوجھ کر اس تعلیم کو نظر انداز کیا

یا جان بوجھ کر مسترد کر دیا۔ وہ سب جن کو خدا نے بچانے کی خواہش کی وہ ایمان دار پیروکار تھے۔ راستبازوں کی نجات کی مثالیں: حضرت نوحؑ اور ان کے پیروکار، حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل، حضرت لوطؑ اور ان کے خاندان کے کچھ افراد، حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ، اور حضرت شعیبؑ وغیرہ۔

سزا دینے کے مختلف طریقے

اور ہم نے ان سے پہلے کئی اُمتیں ہلاک کر ڈالیں۔ وہ ان سے قوت میں کہیں بڑھ کر تھے وہ شہروں میں گشت کرنے لگے۔ کیا کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟ (ق، 36)

تو ہم نے سب کو اُن کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ سو ان میں کچھ تو ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینھ برسایا۔ اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑ نے آ پکڑا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا۔ اور کچھ ایسے تھے جن کو غرق کر دیا اور خدا ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے (العنکبوت، 40)

عذاب الٰہی کا غیر متوقع طور پر آنا

کیا جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آ جائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو ﴿۴۵﴾ یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے وہ (خدا کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿۴۶﴾ یا جب ان کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے۔ بے شک تمہارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۴۷﴾ (النحل، 45-47)

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں جن پر ہمارا عذاب (یا تورات کو) آتا تھا جبکہ وہ سوتے تھے یا (دن کو) جب وہ قیلولہ (یعنی دوپہر کو آرام) کرتے تھے ﴿۴﴾ تو جس وقت ان پر عذاب آتا تھا ان کے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ (ہائے) ہم (ہائے) ہم (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے ﴿۵﴾ (الاعراف، 4-5)

مندرجہ بالا اقتباسات عذابِ الٰہی کے غیر متوقع ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ اچانک عذاب دے سکتا ہے جب لوگ اپنے آپ کو محفوظ اور آرام دہ محسوس کر رہے ہوتے ہیں اور کسی بھی ایسے خطرے سے بے خبر ہوتے ہیں جو انہیں نقصان میں ڈال سکتا ہے۔ "برے منصوبوں" سے مراد خدا کا انکار کرنے والے فلسفے اور غلط اخلاقیات کے نظام ہیں۔ "بتدریج زوال" سے مراد یہ ہے کہ تمام اخلاقی اقدار، طاقت، ہم آہنگی، خوشی اور آخر میں خود زندگی کو زوال آنا ہے۔ "تمہارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا اور مہربان ہے" اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے نبیوں کے وسیلہ سے ہدایت دیتا ہے اور آپ کو وقت دیتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو نا قابل تلافی نقصان پہنچانے سے پہلے غور و فکر کریں اور اپنی اصلاح کریں۔

خدا نے کوئی غلط کام نہیں کیا؛ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا

یہ (پرانی) بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض کا تہس نہس ہو گیا ﴿۱۰۰﴾ اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اُوپر ظلم کیا۔ غرض جب تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا تو جن معبودوں کو وہ خدا کے سوا پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور تباہ کرنے کے سوا ان کے حق میں اور کچھ نہ کر سکے ﴿۱۰۱﴾ اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور سخت ہے ﴿۱۰۲﴾ (ھود، 100-102)

یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم تم کو سناتے ہیں۔ اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔ مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اسے مان لیں اسی طرح خدا کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے ﴿۱۰۱﴾ اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں (عہد کا نباہ) نہیں دیکھا۔ اور ان میں اکثروں کو (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا ﴿۱۰۲﴾ (الاعراف، 101-102)

قرآن کریم خدا کے صوابدیدی عمل کے لیے نہیں بلکہ انسان کے اعمال کے لئے خدا کے عذاب (اور خدا کے اجر) کو بیان کرتا ہے: یہ انسان کے گناہوں کی وجہ

سے ہوتا ہے کہ خدا ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔

بے قاعدہ طور پر کوئی سزا نہیں دی جاتی

اور ہم اُن کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے۔ شاید (ہماری طرف) لوٹ آئیں (السجدہ، 21)
کیا اُن لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ اُن سے پہلے تھے ان کا انجام کیسے ہوا۔ وہ اُن سے زور و قوت میں کہیں زیادہ تھے اور اُنہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو اُنہوں نے آباد کیا۔ اور اُن کے پاس اُن کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے تو خدا ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا۔ بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے (الروم، 9)
کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں ﴿۹۷﴾ اور کیا اہلِ شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آنازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں ﴿۹۸﴾ کیا یہ لوگ خدا کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے (سن لو کہ) خدا کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں ﴿۹۹﴾ کیا ان لوگوں کو جو اہلِ زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں، یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں۔ اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں ﴿۱۰۰﴾ (الاعراف، 97-100)
اس طرح پر ہم تم سے وہ حالات بیان کرتے ہیں جو گذر چکے ہیں۔ اور ہم نے تمہیں اپنے پاس سے نصیحت (کی کتاب) عطا فرمائی ہے (طٰحہ، 99)
(اے محمد ﷺ) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں۔ اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور یہ مومنوں کے لیے نصیحت اور عبرت ہے (ھود، 120)

گناہ گار گروہ کے بارے میں اللہ کے فیصلوں کے قصوں کو بیان کرنے کی دو وجوہات ہیں:

1. وہ موجودہ دور کے گنہگار گروہوں کو اپنی راہیں درست نہ کرنے کی صورت میں آنے والی تباہی سے خبر دار کرتے ہیں۔ تمام ادوار میں، خدا کا عذاب دہرایا جا سکتا ہے اور دہرایا جائے گا اگر کوئی گروہ ابدی اخلاقی حقائق کے خلاف زندگی بسر کرتا ہے۔
2. وہ ان قصوں سے اخذ کردہ **اخلاقی اصولوں** اور نبیوں کے ذریعے دیے گئے خدا کی ہدایت کے بارے میں لوگوں کے مختلف ردعمل کی وضاحت کرتے ہیں۔ قرآن مجید اخلاق کی مکمل دستاویز ہے۔ جب بھی یہ ماضی کے واقعات کا حوالہ دیتا ہے، چاہے وہ بائبل میں درج ہوں یا عرب روایت میں زندہ ہوں ۔ یہ خاص طور پر اخلاقی اقدار اور اس کی اخلاقی تعلیمات سے متعلق عناصر کو سامنے لاتا ہے۔

قرآن کوئی تاریخ کے طور پر لکھی گئی کتاب نہیں ہے اور جب یہ بائبل کی بعض شخصیات کا تذکرہ کرتا ہے تو ہمیں تاریخ کے لحاظ سے ایک مسلسل اور منظم بیانیہ نہیں دیتا۔ لیکن حضرت یوسفؑ کی کہانی اس سے قدرے مختلف ہے، جسے باب یا سورہ نمبر 12 میں تاریخی لحاظ سے ترتیب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وضاحتیں اکثر گھنی اور لچکدار ہوتی ہیں، جس میں ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے جن کا اس بات سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

2

انسان کی ابتداء اور شیطان کی بغاوت

ایک زندہ ہستی سے انسانیت کی ابتداء

لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔ اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے (النساء،1)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔ سو جب وہ اس کے پاس جاتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے تو دونوں میاں بیوی اپنے پروردگار خدائے عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکرگذار ہوں گے (الاعراف،189)

مندرجہ بالا آیات انسانوں کے مشترکہ ماخذ اور بھائی چارے پر زور دیتی ہیں۔ لفظ زوج (ایک جوڑا، یا ساتھی) کا اطلاق مرد اور عورت دونوں اجزاء پر ہوتا ہے۔ "اس نے اس کے شریکِ حیات کو پیدا کیا،" یا اس نے اس کے ساتھی (یعنی اس کے جنسی ہم منصب) کو اس کی قسم سے پیدا کیا۔

فرشتوں کا جھگڑا کرنا

اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں (اپنا) نائب بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کیا تُو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (خدا نے) فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے (البقرہ،30)

زمین پر کسی جانشین یا نائب کو وارث بنانا یا قائم کرنا۔ خلیفہ کی اصطلاح اس قصے میں زمین پر انسان کی جائز بالادستی کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کی گئی ہے، جو اس معنی میں پیش کیا گیا ہے کہ "وہ زمین کا وارث ہوگا" یعنی جیسے اسے زمین پر قابض کیا گیا ہے۔ انسان کی تخلیق کے خلاف فرشتوں کا علامتی جھگڑا ان کے اس عقیدے پر مبنی تھا کہ انسان زمین پر "فساد پھیلائے گا" اور "خون بہائے گا" جبکہ فرشتے، اپنی پاکیزگی کی وجہ سے، زمین کے وارث ہونے کے بہتر اہل تھے۔

تصوراتی سوچ رکھنے کی صلاحیت

اور اس نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا، تو پاک ہے۔ جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے، اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ بے شک تو دانا (اور) حکمت والا ہے ﴿۳۲﴾ (تب) خدا نے (آدم کو) حکم دیا کہ آدم! تم ان کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ جب انہوں نے ان کو ان کے نام بتائے تو (فرشتوں سے) فرمایا کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھ کو معلوم ہے ﴿۳۳﴾ (البقرہ،31-33)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی (بنی اسرائیل،70)

خدا نے "حضرت آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے" اور انسان کو تصوراتی سوچ اور منطقی وضاحت کی صلاحیت سے نوازا۔ دوسرے لفظوں میں، خدا نے انسان کو دیگر مخلوقات پر فضیلت دی ہے اور اسے حق اور باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے، جو اسے دیگر تمام جاندار مخلوقات اور یہاں تک کہ فرشتوں سے بھی برتر بناتی ہے۔ اس طرح، خدا نے فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سامنے "سجدہ" کرنے کا حکم دیا۔

آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم

اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں﴿۲۸﴾ جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا﴿۲۹﴾(الحجر،28-29)
کہو بھلا دیکھو تو اگر خدا تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کئے رہے تو خدا کے سوا کون معبود ہے ہے جو تم کو روشنی لا دے تو کیا تم سنتے نہیں؟ ﴿۷۱﴾ کہو تو بھلا دیکھو تو اگر خدا تم پر ہمیشہ قیامت تک دن کئے رہے تو خدا کے سوا کون معبود ہے کہ تم کو رات لا دے جس میں تم آرام کرو۔ تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ ﴿۷۲﴾ (القصص، 71-72)
اور ہم ہی نے تم کو (ابتدا میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری صورت شکل بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا آدم کے آگے سجدہ کرو تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا (الاعراف، 11)

تکبر بطور حقیقی گناہ

(خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا۔ کیا تو غرور میں آگیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟(ص،75)
(خدا نے فرمایا) کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا﴿۳۲﴾ (اس نے) کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں﴿۳۳﴾ (الحجر،32-33)
اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا(البقرہ،34)
اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہوگیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کے لئے (خدا کی دوستی کا) برا بدل ہے (الکھف،50)

خدا شیطان سے پوچھتا ہے، "کیا تم سجدہ کرنے میں بھی مغرور ہو؟" یہ صرف ایک مکالمہ ہے کیونکہ خُدا سب جاننے والا ہے۔ تو اس نے کہا کہ تو نے مجھے "آگ" سے پیدا کیا ہے، جو اس "مٹی" سے بہتر ہے، جس سے انسان بنایا گیا ہے۔ ابلیس کا آدمؑ کی توہین کرنا پوری نسلِ انسانی کے لیے ایک کھلے دشمن کے طور پر شیطان کے کردار کو ظاہر کرتی ہے۔

ڈیول، شیطان یا ابلیس کی تعریف

انگریزی لفظ "ڈیول" یونانی لفظ ڈائبلوس سے ماخوذ ہے، جو منکر فرشتے کے لیے عربی نام "ابلیس" کی یونانی شکل ہے۔ عربی اصطلاح شیطان قرآن مجید میں واحد اور جمع دونوں میں استعمال ہوتا ہے، اور ابلیس کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے، جو ایک نافرمان فرشتہ تھا جس کو خدا کی نافرمانی کرنے پر آسمان سے نکال دیا گیا تھا۔ ابلیس آدمؑ اور حوا کو نافرمانی پر اکساتا ہے، جسے شیطان کہا جاتا ہے۔ ابلیس کی اصطلاح بنیادی فعل ابلاسا سے اخذ کی گئی ہے، جس کا مطلب ہے، "وہ مایوس ہو گیا" یا "نا امید ہو گیا" یا "روحانیت سے بہک گیا"۔

شیطان کو مہلت دینا

فرمایا تو (بہشت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے پس نکل جا۔ تو ذلیل ہے (الاعراف، 13)
(اور از راہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا (بنی اسرائیل، 62)
خدا نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے)﴿۶۳﴾ اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ۔ اور ان پر اپنے سواروں اور پیاروں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ۔ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہے﴿۶۴﴾ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کارساز کافی ہے﴿۶۵﴾ (بنی اسرائیل، 63-65)
"ہم نے آپ کو پیدا کیا ہے" (یعنی وہ آپ کو جاندار کے طور پر وجود میں لایا ہے) "اور پھر آپ کو بنایا" (یا آپ کو آپ کی شکل دی ہے، یعنی آپ کو انسان بنایا)۔

ان دو بیانات کی ترتیب انسان کی بتدریج تشکیل کی حقیقت کو واضح کرتی ہے: ذاتی معنوں میں، جنینیاتی مرحلے سے لے کر مکمل وجود تک، اسی طرح انسانیت کی تشکیل ہوئی۔ فقرہ "آنکھ بند کر کے میری اطاعت کرو" کا لفظی طور پر مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کے نچلے جبڑے کے گرد رسی ڈال کر اس کی رہنمائی کرنا۔ ابلیس کو مہلت دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آخری وقت تک انسان کو ورغلانے کی طاقت رکھتا ہے۔

(خدا نے) فرمایا یہاں سے نکل جا۔ تو مردود ہے ﴿۳۴﴾ اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برسے گی) ﴿۳۵﴾ (اس نے) کہا کہ پروردگار مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے ﴿۳۶﴾ فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے ﴿۳۷﴾ وقت مقرر (یعنی قیامت) کے دن تک ﴿۳۸﴾ (الحجر، 34-38)

فرمایا تو (بہشت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں کہ یہاں غرور کرے پس نکل جا۔ تو ذلیل ہے ﴿۱۳﴾ (پھر) شیطان نے کہا مجھے تو تُو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا ﴿۱۶﴾ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا ﴿۱۷﴾ (الاعراف، 13۔16-17)

"اب جب کہ تو نے مجھے ملعون بنا دیا"، مطلب جس کے نتیجے میں فرشتوں کے درمیان اس کا سابقہ مقام ختم ہو گیا۔ یہ جملہ "ان کے دائیں اور بائیں سے" تمام اطراف اور ہر ممکنہ ذرائع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"تمہارے تمام گھوڑے اور تمہارے تمام آدمی" سے مراد مردوں کو تمام تصوراتی طریقوں سے گناہ کے کاموں پر آمادہ کرنے کا ایک استعارہ ہے، زنا کرنا یا زنا کے ذریعے بچوں کی پیدائش کر کے بھول جانا بھی اس میں شامل ہے۔ تاہم، اسلام کی اخلاقیات اور آئینی قانون کے مطابق، اس طرح پیدا ہونے والے بچے کو کوئی اخلاقی بدنامی یا قانونی لاچاری نہیں ملتی۔ انسان کا جان بوجھ کر اخلاقی طور پر غلط راستے کا انتخاب کرنا تقریباً ہمیشہ دنیاوی زندگی کی کشش سے مبالغہ آمیز لگاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ شیطان (یا ابلیس) ان لگاؤ کا استعمال کرتے ہوئے مردوں کو تمام اخلاقی تقاضوں کو ترک کرنے اور اپنی روحانی بربادی پر آمادہ کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔

شیطان کا انسان پر کوئی اختیار نہیں ہے

(اس نے) کہا کہ پروردگار جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں) کو آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا ﴿۳۹﴾ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چلنا مشکل ہے) ﴿۴۰﴾ (خدا نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا رستہ ہے ﴿۴۱﴾ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بدراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے ﴿۴۲﴾ (الحجر، 39-42)

جب (حساب کتاب کا) کام فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا۔ تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریادرسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریادرسی کر سکتے ہو۔ میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے۔ بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے (ابراہیم، 22)

جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بدراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے ﴿۴۲﴾ اور ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے ﴿۴۳﴾ اس کے سات دروازے ہیں۔ ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے جماعتیں تقسیم کر دی گئی ہیں ﴿۴۴﴾ (الحجر، 42-44)

(خدا نے) فرمایا، نکل جا۔ یہاں سے پاجی۔ مردود جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں (ان کو اور تجھ کو جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا (الاعراف، 18)

بندے خدا کے بارے میں اتنے باشعور ہوتے ہیں کہ شیطان کا کوئی بھی فریب ان کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ تمام مخلوقات میں سے انسان کا خدا کے ساتھ ایک منفرد رشتہ ہے کیونکہ حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد خدا نے ان میں اپنی روح پھونک دی تھی۔ یہ خصوصی انتخاب اور حیثیت شیطان کی بغاوت کا باعث بنی، ایک ایسی کہانی جو بنی نوع انسان کی کائنات میں اہمیت کو واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ انسانی انفرادیت کا جوہر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے زمین پر خدا کے نمائندے کے طور پر بھیجا گیا ہے ۔ اس نمائندگی کے فرائض کو کیسے انجام دیا جاتا ہے اس کی بنیاد پر، ایک انسان کو جزا یا سزا دی جائے گی۔ یہاں، "آدم" کا لفظ پوری نسل انسانی کی نمائندگی کرتا ہے۔

اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب خدا کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے ﴿۴۹﴾ اور اپنے پروردگار

سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں ﴿۵۰﴾ (النحل،49-50)

فرشتوں کو خدا کے حکم کے بارے میں قرآن کا بیان اور ابلیس کا اطاعت سے انکار اس بات کو واضح کرتا ہے کہ وہ واقعی اس وقت آسمانی میزبانوں میں سے ایک تھا۔ لہٰذا، ہمیں فرض کرنا چاہیے کہ اس کی بغاوت کی خالص علامتی اہمیت ہے اور یہ خدا کی طرف سے اس کے لیے تفویض کردہ ایک خاص کام کا نتیجہ ہے۔

قرآن مجید میں فرشتوں کو اللہ کے حکم دینے اور ابلیس کا اطاعت سے انکار کرنے کا بیان اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ واقعی اس وقت کے آسمانی لشکروں میں سے تھا۔ لہٰذا، ہمیں یہ فرض کرنا چاہیے کہ اس کا بغاوت کرنا خالصتاً علامتی عمل ہے اور یہ خدا کی طرف سے اسے تفویض کردہ ایک مخصوص کام کا نتیجہ ہے۔

خدا نے چاہا کہ ابلیس (یا شیطان) انسان کو بہکائے لیکن اس کے پاس خدا کے بارے میں حقیقی شعور رکھنے والوں کو بہکانے کی طاقت نہ ہو۔ جن لوگوں نے شیطان کی پیروی کا انتخاب کیا وہ سخت گمراہی میں کھوئے ہوئے ہیں۔ قرآن واضح کرتا ہے کہ شیطان اپنے خالق کے خلاف ظاہری بغاوت کے باوجود خدا کے منصوبے سے متعلق ایک خاص کام کو پورا کرتا ہے۔ وہ ابدی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے جو انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے دی گئی نیکی اور برائی کا انتخاب کرنے کی آزادی کو استعمال کر سکے، اور اس طرح انسان کو اپنی مرضی کرنے کی آزادی سے نوازا گیا ہے۔ شیطان اپنے سابقہ پیروکاروں سے قیامت کے دن خطاب کرے گا:

اور جب ہر چیز کا فیصلہ ہو جائے گا تو شیطان کہے گا: "دیکھو، خدا نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ کچھ آنے والا ہے۔ جب (حساب کتاب کا) کام فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ خدا نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا۔ اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا۔ تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو۔ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری فریادرسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریادرسی کر سکتے ہو۔ میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم پہلے مجھے شریک بناتے تھے۔ بے شک جو ظالم ہیں ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے (ابراہیم،22)

3

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کا زمین میں اترنا

جنت کا باغ

اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور جہاں سے چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے (البقرہ، 35)

ہم نے فرمایا کہ آدم یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے تو یہ کہیں تم دونوں کو بہشت سے نکلوا نہ دے۔ پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ ﴿۱۱۷﴾ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہو گی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے ﴿۱۱۸﴾ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ ﴿۱۱۹﴾ (طٰہٰ، 117-119)

باغ سے کیا مراد ہے، اس بارے میں مفسرین کے درمیان کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیا یہ دنیاوی باغ کی طرح ایک باغ ہے یا یہ وہ جنت ہے جو آنے والی زندگی میں نیک لوگوں کا انتظار کر رہی ہے؟ کچھ ابتدائی مفسرین کے مطابق، باغ ایک زمینی مسکن ہے، جو مکمل آرام دہ، خوشی اور سادگی کا ماحول فراہم کرتا ہے۔

آدمؑ اور حواؑ کو اپنے برہنہ ہونے کا احساس اپنا وقار کھو جانے کے بعد ہی ہوا۔ یہ فرض کرنا منطقی ہے کہ ان الفاظ "تمہیں برہنہ محسوس نہیں ہونا چاہئے" کی روحانی اہمیت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان معصومیت کی حالت میں لباس کی عدم موجودگی کے باوجود خود کو برہنہ محسوس نہیں کرے گا۔

ابدی زندگی دینے والا درخت

تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ (اور) کہا کہ آدم بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو ﴿۱۲۰﴾ تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے۔ اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم خلاف کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے ﴿۱۲۱﴾ (طٰہٰ، 120-121)

تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ ان کی ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو ﴿۲۰﴾ اور ان سے قسم کھا کر کہا میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں ﴿۲۱﴾ غرض (مردود نے) دھوکہ دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کی ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے توڑ توڑ کر اپنے اوپر چپکانے لگے اور (ستر چھپانے لگے) تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت (کے پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے ﴿۲۲﴾ (الاعراف، 20-22)

قرآن میں علامتی درخت (20:120) کو ابدی زندگی دینے والا درخت کہا گیا ہے اور بائبل میں (بابِ پیدائش 2:9)، اسے زندگی کا درخت اور اچھائی اور برائی کے علم کا درخت کہا گیا ہے۔ شیطان ان کے اندر ہمیشہ زندہ رہنے اور خدا کی طرح بننے کی خواہش پیدا کرتا ہے۔ اور حضرت آدمؑ اور حواؑ کو خدا کی نافرمانی کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ اپنا وقار اور معصومیت کھو دیتے ہیں۔ زمین پر انسان کی دائمی زندگی کی خواہش رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ موت اور قیامت کا انکار کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد کی زندگی (آخرت) کا بھی انکار کرتا ہے۔ شیطان اس بات پر زور دیتا ہے کہ ایک ایسی بادشاہت کا مالک بننا انسان کی دسترس میں ہے جو کبھی زوال پذیر نہیں ہو گی۔ دوسرے لفظوں میں، تمام حدود و قیود سے آزاد ہو جانا اور بالآخر، حتیٰ کہ خدا کے تصور سے بھی غافل ہو جانا، یہ واحد نظریہ ہے جو انسانی زندگی کو حقیقی معنی اور مقصد سے نوازتا ہے۔

حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کا اصل گناہ

غرض (مردود نے) دھوکہ دے کر ان کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا جب انہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو ان کی ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ بہشت کے (درختوں کے) پتے توڑ توڑ کر اپنے اوپر چپکانے لگے اور (ستر چھپانے لگے) تب ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم کو اس درخت (کے

پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور جتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے ﴿۲۲﴾ دونوں عرض کرنے لگے کہ پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے ﴿۲۳﴾ (خدا نے) فرمایا (تم سب بہشت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لیے ایک وقت (خاص) تک زمین پر ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے ﴿۲۴﴾ (یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہو گا اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے ﴿۲۵﴾ (الاعراف، 22-25)

"تم سب بہشت سے اتر جاؤ" یا اس نعمت اور پاک دامنی کی حالت سے نکل جاؤ۔ جیسا کہ اوپر 2:35-36 میں زوال کی اس تمثیل کے متوازی بیان میں کہا گیا ہے، اس مرحلے پر دوہری شکل میں پکارنے سے یہ بیان جمع کے صیغے میں بدل جاتا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حوّا کی کہانی انسانی تقدیر کی ایک تمثیل ہے۔

حضرت آدمؑ اور بنی نوع انسان کے لیے اللہ کی طرف سے رہنمائی

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے ﴿۳۷﴾ ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے ﴿۳۸﴾ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۳۹﴾ (البقرہ، 37-39)

ایک کھلم کھلی تنبیہ

مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا ﴿۶۹﴾ میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ہدایت کرنے والا ہوں ﴿۷۰﴾ (ص، 69-70)

شیطان سے حفاظت کے لیے خدا کی جانب سے دیا گیا شعور

اے بنی آدم ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔ یہ خدا کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں ﴿۲۶﴾ اے بنی آدم (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) بہشت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ ان کے ستر ان کو کھول کر دکھا دے۔ وہ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق کار بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے ﴿۲۷﴾ (الاعراف، 26-27)

حضرت آدمؑ اور حوّا کے بہشت سے نکالے جانے کے بعد اپنے آپ کو برہنہ محسوس کرنے کی علامت ایک روحانی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ خدا کے دیے گئے شعور کے لبادہ کا اترنا تھا کہ جس نے انسان کے آباؤ اجداد کو ان کے برہنہ ہونے، بالکل بے بس ہونے اور خدا پر انحصار کرنے کا احساس دلایا۔

روحانی حقائق کو نظر انداز کرنا

اور ہم نے پہلے آدمؑ سے عہد لیا تھا مگر وہ (اسے) بھول گئے اور ہم نے ان میں صبر و ثبات نہ دیکھا (طٰہٰ، 115)

موجودہ حوالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ روحانی حقائق کو نظر انداز کرنا انسانیت کی متواتر دہرائی جانے والی خصوصیات میں سے ایک ہے جس کی علامت حضرت آدمؑ ہیں۔ ان کا خدا کے حکم کو فراموش کرنا اخلاقیات کے دائرے میں مقصد کی پختگی ناکافی ہونے کی وجہ سے ہے، جو کہ انسان کی اخلاقی کمزوری کا ثبوت ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے (النساء، 28) اس سے انسان کے ہدایت الٰہی پر مسلسل انحصار ہونے کی وضاحت ہوتی ہے۔

شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلیں

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کے لئے (خدا کی دوستی کا) برا بدل ہے (الکہف، 50)

بہشت سے نکالے جانے کی کہانی سے متعلق بائبل اور قرآن کے درمیان فرق

قرآن مجید کے مطابق، حضرت آدمؑ کو شیطان نے آزمایا تھا حضرت حوّاؑ کو نہیں۔ قرآن مجید میں عورت کو بہشت سے نکالے جانے کی وجہ قرار نہیں دیا گیا، جیسا کہ یہودی اور عیسائی روایات میں آتا ہے۔ یہ ایک نافرمانی کا عمل تھا جس کے وہ خود اکیلے ذمہ دار ہیں۔ عیسائیت کے برعکس قرآن مجید میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ نے "اصل میں گناہ" کیا، اور اس کا خمیازہ پوری انسانیت بھگت رہی ہے۔ گناہ کسی قسم کا وجود نہیں رکھتا۔ یہ نافرمانی کا ایک عمل ہے۔ خدا جو کرنے کا حکم دیتا ہے اسے کرنے یا جس کام سے منع کرتا ہے اس سے باز رہنے میں ناکامی کا نام ہے۔ انسان فطری طور پر گنہگار نہیں ہوتا بلکہ اسے شیطان کمزور اور فتنے کا شکار بنا دیتا ہے۔ موت انسان کی حالت کی وجہ سے آتی ہے گناہ یا بہشت سے نکالے جانے کی وجہ سے نہیں آتی۔ انسان کے فرائض کی طرح گناہ کے نتائج کا تعلق بھی صرف اور صرف گناہ کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ گناہ اور انسان کے فرائض کی مندرجہ بالا وضاحت تورات کی تعلیمات سے مطابقت رکھتی ہے۔

گناہ اور توبہ کی مثال

بہشت سے نکالے جانے کے نتائج کے بارے میں بائبل اور قرآنی قصے عیسائیت اور اسلام کے مختلف عقائد کی بنیاد کو ظاہر کرتی ہیں۔ سابقہ روایات کے مطابق بہشت سے نکالے جانے کے عمل کو انسان کی ناقص فطرت اور وجود کا سبب سمجھا جاتا ہے؛ اور بعد کی روایات کے مطابق اس کو گناہ، خدا کی رحمت، اور توبہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ بائبل میں بتایا گیا ہے کہ، بہشت سے نکالا جانا شرم، رسوائی اور مشکلات کی زندگی کا سبب بنا، جبکہ قرآن مجید بتاتا ہے کہ حضرت آدمؑ نے خدا کی نافرمانی کی لیکن پھر توبہ کی، اور خدا نے حضرت آدمؑ کو اپنی رحمت اور ہدایت عطا کی۔ حضرت آدمؑ نے شیطان اور گناہ سے منہ موڑ لیا اور خدا کی طرف پلٹ گئے۔ حضرت آدمؑ نے توبہ کی، اور خدا نے انہیں معاف کر دیا، اور یہ اسلام میں گناہ اور توبہ کی مثال ہے۔

باشعور انسان کی جانوروں جیسی حالت

معصومیت اور سادگی کے ابتدائی حالات میں، انسان برائی سے بے خبر تھا اور اعمال اور طرز عمل کے بہت سے آپشنز میں سے انتخاب کرنے کی ضرورت سے ناواقف تھا۔ دوسرے لفظوں میں، وہ باقی تمام جانوروں کی طرح اپنی جبلت سے تنہا رہتا تھا۔ تاہم، یہ قدیم، بچوں جیسی معصومیت صرف اس کے وجود ایک کیفیت تھی، کوئی خوبی نہیں تھی۔ اس نے اس کی زندگی کو جامد کر دیا۔ اس نے اسے اخلاقی اور فکری نشوونماء سے روک دیا۔ اس کے شعور کی نشوونماء، جس کی علامت خُدا کے حکم کی جان بوجھ کر نافرمانی کرنا تھی، نے یہ سب کچھ بدل دیا۔ اس نے اسے ایک خالص فطری وجود سے ایک مکمل انسانی وجود میں تبدیل کر دیا جیسا کہ ہم اسے جانتے ہیں، جو صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرنے اور اسی طرح اپنی طرز زندگی کا انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ گہرے معنوں میں، بہشت سے نکالے جانے کا قصہ ایک رجعت پسند واقعہ کو بیان نہیں کرتا بلکہ انسانی ترقی کے ایک نئے مرحلے کو بیان کرتا ہے، جو اخلاقی غور و فکر کے دروازے کھولتا ہے۔ خدا نے انکو "اس درخت کے قریب جانے" سے منع کر کے، انسان کو غلط کام کرنے کی اجازت دی- اور اسی وجہ سے، پھر صحیح کام کرنے کی اجازت دی۔ لہٰذا انسان کو اخلاقی آزادانہ مرضی سے نواز دیا گیا جو اسے دیگر حساس مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔

شیطان کا وعدہ ہمیشہ فریب ہوتا ہے

یہ ثابت ہوا کہ حضرت آدمؑ اور حوّاؑ کو ممنوعہ پھل چکھنے کے باوجود ابدی زندگی حاصل نہیں ہوئی، شیطان کی تجویز—ہمیشہ کی طرح—ایک فریب تھی۔ قرآن اس "درخت" کی اصل نوعیت کے بارے میں کچھ نہیں بیان کرتا، سوائے اس بات کی نشاندہی کرنے کے کہ شیطان نے جھوٹ بول کر اسے ابدی زندگی والا درخت کہا تھا۔ ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ممنوعہ درخت محض ان حدود کی ایک شکل ہے جو خالق کائنات نے انسان کی خواہشات اور افعال کے لیے مقرر کی ہیں— وہ حدود جن سے وہ تجاوز کرے گا تو اپنے خدا کی مرضی اور قدرت کے خلاف جائے گا۔

بہشت سے نکالے جانے کے بعد آزادانہ مرضی کا پروان چڑھنا

حیوانات پر انسان کی برتری یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو غلامی سے آزاد کروانے کی صلاحیت رکھتا ہے جو کسی جانور جیسے وجود کی بنیادی خواہش ہوتی ہے، اس طرح انسان گناہ کے شکنجے سے آزاد ہو کر ایک اعلٰی روحانی زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ قرآن دلیل دیتا ہے کہ ہر انسان ایک آزاد اخلاقی کارندہ ہے جو صرف مجبوری یا جبلت سے کام کرنے کے بجائے اپنی مرضی کے مطابق انتخاب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا، ہر انسان کو اخلاقی فیصلے کرنے اور اخلاقی دیانت داری کی زندگی کا انتخاب کرنے کی بنیادی آزادی حاصل ہے۔

انسان کی ابتدائی تاریخ

ایک زندہ ہستی سے نسل انسانی کی ابتداء

لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کرکے روئے زمین پر) پھیلا دیئے۔ اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے (النساء،1)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔ سو جب وہ اس کے پاس جاتا ہے تو اسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے۔ پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے تو دونوں میاں بیوی اپنے پروردگار خدائے عزوجل سے التجا کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح وسالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکر گذار ہوں گے (الاعراف،189)

اور اگر خدا چاہتا تو ان کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کا نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار (الشوریٰ،8)

اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے انسانیت کو واحد جماعت نہیں بنایا۔ مندرجہ بالا آیات انسانیت کے مشترکہ ماخذ اور بھائی چارے پر زور دیتی ہیں، جو ان آیات کا اصل مقصد ہے۔ لفظ زوج (ایک جوڑا، جوڑے میں سے کوئی ایک، یا ایک ساتھی) کا اطلاق جوڑے یا جوڑے کے نر اور مادہ دونوں اجزاء پر لاگو ہوتا ہے۔ "اس نے اس کی شریکِ حیات سے پیدا کیا،" یا اس نے اس کے ساتھی (یعنی اس کے جنسی ہم منصب) کو اس کی قِسم سے پیدا کیا۔

بنی نوع انسان کا آپس میں اور ہدایت الٰہی کے بارے میں اختلاف

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو خدا نے (ان کی طرف) بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کر دے۔ اور اس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجود یہ کہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے (اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی۔ اور خدا جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے (البقرہ،213)

ہم نے ہر ایک اُمت کے لئے ایک شریعت مقرر کر دی ہے جس پر وہ چلتے ہیں تو یہ لوگ تم سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں اور تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی طرف بلاتے رہو۔ بے شک تم سیدھے رستے پر ہو﴿٦٧﴾ اور اگر یہ تم سے جھگڑا کریں تو کہہ دو کہ جو عمل تم کرتے ہو خدا ان سے خوب واقف ہے﴿٦٨﴾ (الحج،67-68)

جملہ "لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے" سے مراد پہلے کے آئے ہوئے احکامات الٰہی کے پیروکاروں میں مختلف مذہبی گروہ ہیں جنہوں نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو مختلف فرقوں میں جکڑ لیا۔ ان میں سے ہر ایک ضد کے ساتھ اپنے اپنے اصولوں، عقیدے اور رسومات کی حفاظت کر رہا تھا اور عبادت کے دیگر تمام طریقوں سے شدید عدم رواداری کا اظہار کرتا تھا۔

اختلاف رائے کی طرف انسان کا رجحان

یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہیں ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے خدا نے گفتگو فرمائی اور بعض کے (دوسرے

امور میں) مرتبے بلند کئے۔ اور عیسٰی بن مریم کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں اور روح القدس سے ان کو مدد دی۔ اور اگر خدا چاہتا تو ان سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ و قتال نہ کرتے۔ لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے (البقرہ، 253)

ایک بار پھر، جیسا کہ اوپر آیت 213 میں ہے، قرآن انسانوں کے درمیان اختلافات کے ناگزیر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، یہ خدا کی مرضی ہے کہ انسان کا حق تک پہنچنے کا راستہ ان کے نظریے کے تنوع، آزمائش اور غلطیوں کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ انسان کا فکری اختلاف کا شکار ہونا تاریخ کے اعتبار سے غیر متوقع نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت کا ایک لازمی اور خداداد پہلو ہے۔ یہ وہ فطری صورت حال ہے جس کی طرف یہ الفاظ "اُس کی اجازت سے" اشارہ کرتے ہیں۔

رنگوں، زبانوں اور جنسوں میں تنوع

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اب تم انسان ہو کر جابجا پھیل رہے ہو ﴿۲۰﴾ اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ اُن کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں اُن کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ﴿۲۱﴾ اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا۔ اہلِ دانش کے لیے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں ﴿۲۲﴾ (الروم، 20-22)

تنوع کا خدائی قانون

انسانی تاریخ کے آغاز میں، لوگ نسبتاً یکساں قدیم سماجی نظام میں رہتے تھے جس کی بنیاد انسانی معاشرے کے ارکان کے درمیان شعوری معاہدے کی بجائے اپنے ہم خیال گروہوں کے اصولوں اور بڑوں کے لیے اندھے احترام پر مبنی تھی۔ اس کے بعد کی ترقی کے بعد انسان کا تفرقہ میں پڑنا لازمی تھا۔ جیسے جیسے اس کی سوچ ترقی کرتی گئی، زندگی پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتی گئی۔ ذہن اور سوچ کی ترقی کے ساتھ، تجریدی اصول جیسے انصاف اور اخلاقیات ایک ذاتی ضابطے کی بنیاد بننا شروع کر دیتے ہیں جو معاشرے کی توقعات اور قوانین سے متصادم ہو سکتے ہیں۔ اس کی جذباتی صلاحیت اور اس کی انفرادی ضروریات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی گئیں، خیالات اور مفادات کے اختلافات منظر عام پر آ گئے، اور انسانیت اخلاقی اقدار اور نقطہ نظر کے لحاظ سے "ایک ہی کمیونٹی" نہیں رہی۔ اس مرحلے پر خدا کی رہنمائی ضروری ہو گئی۔

تنوع کائنات کی خوبصورتی ہے

اربوں انسانوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے بالکل مماثل نہیں ہے۔ زمین پر موجود تمام درختوں پر کھربوں پتوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے جیسا نہیں ہے۔ اپنی لامحدود حکمت سے، خدا نے تمام رنگوں اور عقیدوں کے لوگوں کو پیدا کیا۔ اس لیے کسی بھی بنیاد پر امتیازی سلوک کرنا خدا کی تخلیق کا انکار اور ایک گناہ والا عمل ہے۔ مختلف ثقافتوں، نسل، قوم، ملک، یا مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ایک عالمی معاشرے یا امت کا حصہ ہیں۔

4

ہابیل اور قابیل

قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل

اور (اے محمد ﷺ) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات (جو بالکل) سچے (ہیں) پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے خدا (کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کروں گا اس نے کہا کہ خدا پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے ﴿۲۷﴾ اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھ کو قتل کرنے کے لئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے ﴿۲۸﴾ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں بھی پھر (زمرہ) اہل دوزخ میں ہو اور ظالموں کی یہی سزا ہے ﴿۲۹﴾ مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا ﴿۳۰﴾ اب خدا نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے کہنے لگا اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہوا ﴿۳۱﴾ اس قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان سے بہت سے لوگ ملک میں حدِ اعتدال سے نکل جاتے ہیں ﴿۳۲﴾ (المائدہ، 27-32)

قابیل اور ہابیل کا قصہ "ان تک پہنچا دیں یعنی" (بائبل کے پیروکاروں تک) جس قصے کا ذکر بابِ پیدائش کے 16- 4:1 میں کیا گیا ہے۔ قابیل حضرت آدمؑ اور حوّا کا پیدا ہونے والا پہلا بیٹا تھا۔ ہابیل دوسرا بیٹا تھا۔ اپنے مردہ بھائی کی لاش کو دفن کرنے کا خیال کوے کے زمین کو کھودنے سے قابیل کے ذہن میں آیا تھا، جس نے اس کو جرم کی سنگینی کا احساس دلایا۔ یہاں اخلاقی سچائی اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اس سیاق وسباق میں قابیل اور ہابیل کی کہانی کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔ "ہم نے بنی اسرائیل کو حکم نازل کیا" کے الفاظ، یقیناً، اس اخلاقیات کے آفاقی جواز سے محروم نہیں ہیں؛ اس کی بجائے، یہ محض اپنے ابتدائی بیان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہابیل کے قتل کا مطلب یہ بھی تھا کہ اس کی تمام اولاد کا وجود ختم ہو گیا، یوں اس سے مراد "تمام بنی نوع انسان کو قتل کرنا" ہے۔ ایک انسان کا قتل صرف ایک شخص کے قتل سے بڑھ کر ہوتا ہے؛ اس میں اس کی مستقبل کی نسل بھی شامل ہوتی ہے۔

5

حضرت نوحؑ

حضرت نوحؑ کی کہانی اور ان کے گمراہ ساتھی مردوں کی تباہی اس بات کی پہلی مثال ہے کہ کس طرح ایک گنہگار برادری عذابِ الٰہی سے پہلے پانچ مراحل سے گزرتی ہے۔

ایک اللہ کی عبادت کرو

ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ ان پر درد دینے والا عذاب واقع ہو اپنی قوم کو ہدایت کردو ﴿۱﴾ انہوں نے کہا کہ اے قوم! میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں ﴿۲﴾ کہ خدا کی عبات کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو ﴿۳﴾ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور (موت کے) وقت مقررہ تک تم کو مہلت عطا کرے گا۔ جب خدا کا مقرر کیا ہو گا وقت آجاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی۔ کاش تم جانتے ہوتے ﴿۴﴾ (نوح، 1-4)

پچھترویں سورت مکمل طور پر حضرت نوحؑ کی اپنے گمراہ ساتھیوں کو تبلیغ سے متعلق بیان کرتی ہے۔ یہ سورت علامتی طور پر ہر باشعور مومن کی اندھی مادیت پرستی کے خلاف جدوجہد اور اس کے نتیجے میں روحانی اقدار کے فقدان کی عکاسی کرتی ہے۔ حضرت نوحؑ کی اپنی قوم کی اصلاح میں ناکامی قرآن مجید میں کئی بار اور سب سے زیادہ 48- 11:25 میں بیان کی گئی ہے۔ "ایک مدت تک،" یعنی ہر شخص کی زندگی کے اختتام تک: اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کسی کی زندگی کے اختتام تک توبہ اور دل کے صاف ہونے کے بعد گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ اس لیے توبہ نہ کرنے والا گنہگار موت کے بعد اپنے رویے کے لیے پوری طرح جوابدہ ہو گا۔

ایک باشعور تخلیق کار کے وجود کا ثبوت

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور پیغام پہنچانے آیا ہوں ﴿۲۵﴾ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے ﴿۲۶﴾ (ھود، 25-26)

تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے ﴿۱۳﴾ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے ﴿۱۴﴾ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں ﴿۱۵﴾ اور چاند کو ان میں (زمین کا) نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے ﴿۱۶﴾ اور خدا ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے ﴿۱۷﴾ پھر اسی میں تمہیں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑا کرے گا ﴿۱۸﴾ اور خدا ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا ﴿۱۹﴾ تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو ﴿۲۰﴾ (نوح، 13-20)

نوحؑ کی قوم نے خالق کی انفرادیت کے تمام ثبوتوں کو نظر انداز کر دیا، اور اس طرح، انہوں نے انسان کو عطا کردہ بے شمار نعمتوں کی ناشکری کی۔ "پے در پے مراحل" سے مراد ماں کے رحم میں بتدریج ارتقاء کا عمل ہے، یعنی ایک فرٹیلائزڈ جراثیمی خلیے (مادہ بیضہ) سے لے کر اس مقام تک جہاں یہ حمل ایک نیا، خود ساختہ انسانی وجود بن جاتا ہے۔ یہ ایک بامقصد منصوبہ کے وجود کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور اس طرح، ایک باشعور خالق کی موجودگی کا ثبوت ملتا ہے۔

"خدا نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے" اس کے دوہرے معنی ہیں۔ یہ اسی نامیاتی یا غیر نامیاتی مادہ سے انسانی جسم کے ارتقاء کی طرف اشارہ کرتا ہے، جیسا مادہ زمین پر پایا جاتا ہے۔ اور یہ انسانی فرد کی تخلیق کا عمل "مسلسل مراحل میں" آگے بڑھتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ، یہ انسانی انواع کے ارتقاء کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو زمین پر رہنے والے قدیم ترین اعضاء سے شروع ہو کر رفتہ رفتہ ترقی کے بلند ترین مراحل پر پہنچ گیا یہاں تک کہ بالآخر یہ مرحلہ جسم، دماغ اور روح کی اس پیچیدگی تک پہنچ گئی جس کا واضح ثبوت انسان میں موجود ہے۔

حضرت نوحؑ کی تعلیمات پر اعتراضات

مومن کی تعریف

وہ بولے کہ کیا ہم تم کو مان لیں اور تمہارے پیرو تو رذیل لوگ ہوتے ہیں ﴿۱۱۱﴾ نوح نے کہا کہ مجھے کیا معلوم کہ وہ کیا کرتے ہیں ﴿۱۱۲﴾ ان کا حساب (اعمال) میرے پروردگار کے ذمے ہے کاش تم سمجھو ﴿۱۱۳﴾ اور میں مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں ﴿۱۱۴﴾ میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں ﴿۱۱۵﴾ (الشعراء، 111-115)

اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال وزر کا خواہاں نہیں ہوں، میرا صلہ تو خدا کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، میں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں۔ وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو (ھود، 29)

کافروں کا حقارت آمیز بیان کہ وہ "بدبخت" پیروکار تھے جنہوں نے حضرت نوحؑ پر ایمان لانے کا اعلان کیا تھا، یقین کے ساتھ نہیں کہا گیا تھا، بلکہ کچھ مادی فوائد حاصل کرنے کے لیے تھا۔ کافر حضرت نوحؑ (مطلب یہاں جو بیان کیا گیا ہے) کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے اگر حضرت نوحؑ اپنے آپ کو ان نچلے طبقے کے لوگوں سے علیحدہ کر لیتے۔

حضرت نوحؑ کا جواب قرآن کے ضابطہ اور اسلامی قانون کے بنیادی اصولوں کی عکاسی کرتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسرے شخص کے عقیدے یا پوشیدہ مقاصد کی پرکھ کرے۔ جبکہ خدا جانتا ہے کہ انسانوں کے دلوں میں کیا ہے، معاشرہ صرف بیرونی شواہد سے فیصلہ کر سکتا ہے، جو کسی شخص کے قول و فعل پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس طرح، اگر کوئی کہتا ہے کہ، "میں ایک مومن ہوں" اور اپنے عقیدے کے خلاف کوئی عمل یا بات نہیں کرتا، تو کمیونٹی کو چاہیے کہ وہ اسے مومن سمجھے۔

بعد میں آنے والے انبیاء، خاص طور پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی تاریخ کے مطابق، ان کے ابتدائی پیروکاروں میں سے اکثر غلام، غریب اور مظلوم لوگ تھے۔ کیونکہ پیغام الٰہی میں ایک مساوی سماجی نظام اور آخرت میں خوشی کی امید کا وعدہ کیا گیا تھا۔

تم گمراہی میں کھو گئے ہو

تو جو ان کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں صریح گمراہی میں (مبتلا) دیکھتے ہیں ﴿۶۰﴾ انہوں نے کہا اے قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں پروردگار عالم کا پیغمبر ہوں ﴿۶۱﴾ تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھ کو خدا کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو ﴿۶۲﴾ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم پرہیزگار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ﴿۶۳﴾ (الاعراف، 60-63)

کافروں کا جھوٹا اور دیوانہ کہنا

(وہ یہ) کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تم کو ڈر سنانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں (ھود، 2)

تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے۔ تم پر بڑائی حاصل کرنی چاہتا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو فرشتے اُتار دیتا۔ ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی سنی نہیں تھی ﴿۲۴﴾ اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو ﴿۲۵﴾ (المومنون، 24-25)

قرآن اس بات کی دلیل دیتا ہے کہ لوگ اکثر ایسے نئے ضوابط کو مسترد کرتے ہیں جو ان کے عادی خیالات اور طرز زندگی سے متصادم ہوں۔ اس سے مراد تمام قسم کی اندھی تقلید کی مذمت کرنا ہے، مثال کے طور پر، ایسے مذہبی نظریات یا دعوؤں کو بغیر سوچے سمجھے قبول کرنا، جن کی واضح طور پر وحی الٰہی، نبی کی صریح تعلیمات یا غیر جانبدارانہ دلائل اور ثبوت سے تائید نہیں ہوتی۔

حضرت نوحؑ کا جواب

انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم

سے پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ تو کیا ہم اس کے لیے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو ﴿۲۸﴾ اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال وزر کا خواہاں نہیں ہوں، میرا صلہ تو خدا کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، میں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں۔ وہ تو اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو ﴿۲۹﴾ اور برادران ملت! اگر میں ان کو نکال دوں تو (عذاب) خدا سے (بچانے کے لیے) کون میری مدد کر سکتا ہے۔ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۳۰﴾ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ خدا ان کو بھلائی (یعنی اعمال کی جزائے نیک) نہیں دے گا جو ان کے دلوں میں ہے اسے خدا خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافوں میں ہوں ﴿۳۱﴾ (ھود،28-31)

یہ جملہ "کیا ہم آپ پر زور زبردستی کر سکتے ہیں" بنیادی قرآنی نظریے کا حوالہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "ایمان کے معاملات میں کوئی جبر نہیں کیا جائے گا" (2:256)۔ بار بار دہرایا جانے والا یہ بیان کہ ایک نبی ڈرانے والے اور خوش خبری دینے والے سے زیادہ کچھ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا فرض صرف اس پیغام کو پہنچانا ہے جو اسے سونپا گیا ہے۔ اس جملے میں جمع کا صیغہ "ہم" کا تعلق حضرت نوحؑ اور ان کے پیروکاروں سے ہے۔ اور "جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو،" سے مراد حضرت نوحؑ کے غریب اور نچلے درجے کے پیروکار ہیں۔

حضرت نوحؑ کو جسمانی نقصان کی دھمکی

انہوں نے کہا کہ نوح اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے (الشعراء،116)

اور ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں خدا پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے اور پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو ﴿۷۱﴾ اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔ میرا معاوضہ تو خدا کے ذمے ہے۔ اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں ﴿۷۲﴾ (یونس،71-72)

وہ لوگ جو اپنے انبیاء کے خلاف متحد ہو گئے

خدا کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں۔ تو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے ﴿۴﴾ ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد اور اُمتوں نے بھی (پیغمبروں کی) تکذیب کی۔ اور ہر اُمت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بیہودہ (شبہات سے) جھگڑتے رہے کہ اس سے حق کو زائل کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا (سو دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا ﴿۵﴾ (المومن،4-5)

حضرت نوحؑ کی خُدا سے اپنے لوگوں کی بے حسی کے بارے میں شکایات

جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوحؑ نے) خدا سے عرض کی کہ پروردگار میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا ﴿۵﴾ لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے ﴿۶﴾ جب جب میں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکڑ بیٹھے ﴿۷﴾ پھر میں ان کو کھلے طور پر بھی بلاتا رہا ﴿۸﴾ اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا ﴿۹﴾ اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے ﴿۱۰﴾ وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا ﴿۱۱﴾ اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہا دے گا ﴿۱۲﴾ (نوح،5-12)

"آسمانی رحمتیں" یا روشنی،" سے مراد وہ آپ پر آسمان کو فراوانی کے ساتھ کھول دے گا۔" آخری دو نعمتوں میں آخرت کی خوشیوں کی کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے، جن کو قرآن میں باغات اور ان سے بہتی ہوئی نہروں سے مشابہت دی گئی ہے۔

فیصلے (عذاب) کا مطالبہ

انہوں نے کہا کہ نوح تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا۔ لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لا نازل کرو ﴿۳۲﴾ نوح نے کہا کہ اس کو خدا ہی چاہے گا تو نازل کرے گا۔ اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے ﴿۳۳﴾ (ھود،32-33)

یہ الفاظ "اگر یہ خدا کی مرضی ہے کہ تم لوگ سنگین گمراہی میں گم رہو گے" ان لوگوں کے بارے میں قرآنی نظریے "خدا کے طریقے" سے مطابقت رکھتے ہیں جو مسلسل سچائی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ جب خدا منکر کی طرف سے گناہ کرنے میں ثابت قدمی کو دیکھتا ہے، تو اسے اس حالت میں چھوڑ دیتا ہے اور

اسے توبہ کرنے پر مجبور نہیں کرتا، تو اللہ کے اس عمل کو قرآن میں "گمراہی میں مبتلا کرنے" اور "بھٹکنے کا سبب بننے" کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح، جب وہ یہ جانتا ہے کہ کوئی شخص توبہ کرے گا، تو وہ اس شخص کی حفاظت کرے گا اور اس پر مہربان ہو گا، تو خدا کے اس عمل کو "صحیح راہ دکھانے" یا "ہدایت دینے" کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

مادہ پرستی، جھوٹا غرور اور تکبر

(اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ میرے پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا﴿۲۱﴾ اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے﴿۲۲﴾ اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعقوب اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا﴿۲۳﴾ (پروردگار) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ تو تُو ان کو اور گمراہ کر دے﴿۲۴﴾ (نوح، 21-24)

وہ ایسے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں جن کی دولت اور طاقت صرف ان کے جھوٹے غرور اور تکبر کو بڑھاتی ہے اور انہیں روحانی تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس کا مطلب مادی چیزوں کے ساتھ خصوصی عقیدت ہے جو کہ ، آنے والے وقت میں، تمام اخلاقی اقدار اور معاشرے کے تانے بانے کو ضرور تباہ کر دے گی۔ اسلام سے پہلے کے عرب پانچ دیوتاؤں (ود، سواع، یغوث، یوق، نسر) کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا فرقہ شاید شام اور بابل سے عرب میں متعارف کروایا گیا تھا، جہاں ایسا لگتا ہے کہ یہ قدیم زمانے سے موجود تھا۔

حضرت نوحؑ کا بدکاروں کی تباہی کے لیے دعا کرنا

اور (پھر) نوحؑ نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار اگر کسی کافر کو روئے زمین پر بسا نہ رہنے دے﴿۲۶﴾ اگر تم ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہو گی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی﴿۲۷﴾ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی بڑھا﴿۲۸﴾ (نوح، 26-28)

نوح نے کہا کہ پروردگار میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا﴿۱۱۷﴾ سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں ان کو بچالے﴿۱۱۸﴾ (الشعراء، 117-118)

کوئی بھی یہ فرض کرنے میں حق بجانب نہیں ہے کہ بدکاروں کی اولاد ضرور بری ہی ہو گی۔ فقرہ "جو ان سے اولاد ہو گی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہو گی" خصوصیات یا رویوں کی نشاندہی کرتا ہے، افراد کی نہیں۔ "بیشک سچائی کو کھول دے" سے مراد یہ ہے کہ بیشک ان کے اور میرے درمیان واضح فیصلہ کر دے۔

کشتی کی تعمیر

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان (لا چکے)، ان کے سوا کوئی اور ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ﴿۳۶﴾ اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ۔ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے﴿۳۷﴾ تو نوح نے کشتی بنانی شروع کر دی۔ اور جب ان کی قوم کے سردار ان کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے۔ وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اس طرح (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے﴿۳۸﴾ اور تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے اور جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے﴿۳۹﴾ (ھود، 36-39)

یورپی زبانوں میں اس کے معروف معنی کی وجہ سے یہاں آرک ("جہاز") کو "کشتی" کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

تباہی و بربادی پر مشتمل سیلاب

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے نوح کو حکم دیا کہ ہر قسم (کے جانداروں) میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (دو جانور۔ ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے تھے (ھود، 40)

نوحؑ کی اپنے بیٹے کو بچانے کی کوشش

(نوح نے) کہا کہ خدا کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں اس کا) چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے ﴿۴۱﴾ اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلنے لگی۔ (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے) اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کہ جو (کشتی سے) الگ تھا، پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو ﴿۴۲﴾ اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا، وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔ انہوں نے کہا کہ آج خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر خدا رحم کرے۔ اتنے میں دونوں کے درمیان لہر آحائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا ﴿۴۳﴾ (ھود، 43-41)

اور نوحؑ نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے ﴿۴۵﴾ خدا نے فرمایا کہ نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے وہ تو ناشائستہ افعال ہے تو جس چیز کی تم کو حقیقت معلوم نہیں ہے اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو۔ اور میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو ﴿۴۶﴾ نوح نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی حقیقت مجھے معلوم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہیں بخشے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا ﴿۴۷﴾ (ھود، 45-47)

زمین کے چہرے پر پانی کا بہاؤ وادی میں ایک بہت بڑے سیلاب کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مسلسل، موسلادھار بارشوں سے بڑھتا ہوا سیلاب، تیزی سے پوری زمین کی سطح پر پھیل گیا۔ یہ ایک بڑے سیلاب میں تبدیل ہو گیا جیسا کہ بائبل اور قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا حوالہ قدیم یونان کے افسانوں (مثال کے طور پر، ڈیوکیلیئن اور پائرہ کی کہانی) میں اور سمیریئن اور بیبلونیئن کے افسانوں میں بھی ملتا ہے۔

یہ فرض کرنا مناسب ہے کہ جن جانوروں کو حضرت نوحؑ کو اپنے ساتھ کشتی میں لے جانے کا حکم دیا گیا تھا وہ پالتو جانور تھے (اور یہ تمام قسم کے جانور نہیں تھے، جیسا کہ بائبل کی روایت میں ذکر کیا گیا ہے)۔

حضرت نوحؑ کے بیٹے اور ان کی بیوی نے ان لوگوں کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی جنہوں نے سچائی کا انکار کیا، اور کشتی میں سوار ہونے سے متعلق حضرت نوحؑ کے حکم کے باوجود وہ ڈوب گیا۔ حضرت نوحؑ نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ ان کے ڈوبنے والے بیٹے کی آخرت میں کیا حالت ہو گی اور خدا سے درخواست کی کہ وہ ان کی دعا کے مطابق بھیجے گئے اپنے حکم کو بدل دے۔ خدا نے حضرت نوحؑ کو تنبیہ کی کیونکہ آخرت میں کسی بھی انسان کی حتمی مقدر کا علم انسانی ادراک کے دائرہ کار سے باہر ہے (یعنی غیب کا علم ہے)۔ حضرت نوحؑ نے خدائی حکم "اس کشتی پر سوار ہو جاؤ... اپنے خاندان کے ساتھ" کو اس طرح سمجھا کہ اس کا مطلب ان کا پورا خاندان ہے، اور اس طرح اہلیت کی وہ شق "سوائے ان کے جن پر سزا لازم ہو چکی ہے" ان سے نظر انداز ہو گئی۔

مبارک منزل تک پہنچنے کے لیے حضرت نوحؑ کی دعا

اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (خدا کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف خدا ہی کو (سزاوار) ہے۔ جس نے ہم کو نجات بخشی ظالم لوگوں سے ﴿۲۸﴾ اور (یہ بھی) دعا کرنا کہ اے پروردگار ہم کو مبارک جگہ اُتاریو اور تو سب سے بہتر اُتارنے والا ہے ﴿۲۹﴾ بے شک اس (قصے) میں نشانیاں ہیں اور ہمیں تو آزمائش کرنی تھی ﴿۳۰﴾ (المومنون، 28-30)

مندرجہ بالا دعا کو حضرت نوحؑ پر فرض کرنے کے ساتھ اس بات کا اشارہ دیا گیا کہ، ہر مومن پر، کشتی کا قصہ علامتی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ہدایتِ الٰہی کے لیے انسانی روح کی تڑپ کی ایک تمثیل ہے، جو صرف انسان کو دکھا سکتی ہے کہ کس طرح اپنے آپ کو بچانا ہے اور روحانیت کے ساتھ ساتھ دنیاوی زندگی میں بھی اپنی حقیقی منزل تک کیسے پہنچنا ہے۔ لفظ "منزل" کا مطلب اترنے کی بابرکت حالت یا اترنے کی بابرکت یا مبارک جگہ ہے۔

طوفانی بارشیں اور حضرت نوحؑ کی کشتی کا تیرنا

تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ (بار الٰہا) میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے ﴿۱۰﴾ پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے ﴿۱۱﴾ اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا ﴿۱۲﴾ اور ہم نے نوحؑ کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا ﴿۱۳﴾ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی۔ (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لئے (کیا گیا) جس کو کافر مانتے نہ تھے ﴿۱۴﴾ اور ہم نے اس کو ایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ ﴿۱۵﴾ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ ﴿۱۷﴾ (القمر، 10-17)

جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا ﴿۱۱﴾ تاکہ اس کو تمہارے لئے یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں ﴿۱۲﴾

(الحاقۃ،11-12)

حضرت نوحؑ کی کشتی کا حوالہ، "جیسا کہ یہ محض تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی"، اس کشتی کی کمزوری یا انسان کی تدبیر کی کمزوری پر زور دیتا ہے۔ یہاں جس نشانی کی بات کی گئی ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ خدا نے انسان کے ذہن کو اختراعی صلاحیت سے نوازا ہے اور اس طرح شعوری طور پر کوشش کرنے کے ذریعے انسان اپنی زندگی کا دائرہ وسیع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جودی پہاڑ پر نوحؑ کی کشتی کا ٹھہرنا

اور حکم دیا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔ تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور کشتی کوہ جودی پر جا ٹھہری۔ اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت (ھود،44)

حکم ہوا کہ نوح ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ۔ اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا (ھود،48)

کوہِ جودی، جسے قدیم سریانی زبان میں قردو کے نام سے جانا جاتا ہے، جھیل وان کے علاقے میں واقع ہے، جو جدید شام کے ضلع الجزیرہ کے دارالحکومت جازیرۃ بن عمر قصبے سے تقریباً پچیس میل شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کی شہرت میسوپوٹیمیا کی روایت کی وجہ سے ہے، جو اس کی شناخت (کوہ ارارات) اس پہاڑ سے کرتی ہے جس پر حضرت نوحؑ کی کشتی ٹھہری تھی۔ کشتی کی آرام گاہ کے مقام کا تعین بیبلونیئن روایت (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، 1059) پر مبنی ہے۔ تاہم، ارارات (اسیریئن ارارتو) کے مقام پر جھیل وان کا پورا جنوبی علاقہ شامل تھا، جس میں جبل جودی واقع ہے۔ یہ بائبل کے اس بیان کی وضاحت کر سکتا ہے کہ "کشتی ارارات کے پہاڑوں پر ٹھہری تھی" (بابِ پیدائش 8:4)۔

اصطلاح "سلام" جس کا مطلب "امن" ہے، اندرونی اور بیرونی تمام برائیوں سے حفاظت کرنے کے تصور پر مبنی ہے۔ یہ جملہ "لوگ یا ان لوگوں کی نسلیں جو آپ کے ساتھ ہیں" ان نسلوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ابھی تک پیدا نہیں ہوئی ہیں۔ چونکہ خدا کی نعمت تمام مومنین تک پھیلی ہوئی ہے، اس لیے اس میں حضرت نوحؑ کے زمانے کے مومنین بھی شامل ہیں۔ چونکہ (سورہ الکافرون) کے مطابق "حق کا انکار کرنے والے" خدا کی رحمت سے خارج ہیں، اس لیے ان ابتدائی مومنین کی نسل میں سے صرف نیک لوگوں کو خدا کی رحمتوں میں حصہ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے (ابراہیم کی اولاد سے متعلق اسی طرح کا حوالہ، 2:124 میں دیکھیں)۔ لہٰذا، ان الفاظ "وہ لوگ جو تم میں سے بدکار ہوں گے" کا خلاصہ مندرجہ ذیل جملے کیا گیا ہے۔

راستبازوں کو بچانا اور بدکاروں کے لیے عذاب

لیکن ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچا لیا اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیا انجام ہوا ﴿۷۳﴾ پھر نوح کے بعد ہم نے اور پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے۔ تو وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ مگر وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی پہلے تکذیب کر چکے تھے اس پر ایمان لے آتے۔ اسی طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ﴿۷۴﴾ (یونس،73-74)

مندرجہ بالا آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ محمد ﷺ سے پہلے ہر رسول کو ایک خاص قوم یا گروہ کے پاس بھیجا گیا تھا۔ حضرت ﷺ وہ پہلے اور آخری نبی تھے جو پوری انسانیت کے لیے ایک عالمگیر پیغام لے کر آئے تھے۔

حضرت نوحؑ، خدا کے فضل کی علامت

اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے پھر اُن کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا۔ اور وہ ظالم تھے ﴿۱۴﴾ پھر ہم نے نوحؑ کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو اہل عالم کے لئے نشانی بنا دیا ﴿۱۵﴾ (العنکبوت،14-15)

بائبل (4:29) میں حضرت نوحؑ کی زندگی کا دورانیہ 950 سال بتایا گیا ہے۔ تاہم، نمبر "950" محض وقت کی غیر معمولی مدت کو ظاہر کرنے کے لیے ہو سکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے کلاسیکل عربی میں "سات" اور "ستر" "اکثر" "متعدد" یا "بہت ساری" چیزوں کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بے حد طویل عرصے کے بعد بھی حضرت نوحؑ اپنی قوم کو اپنے مشن کی سچائی پر قائل نہ کر سکے۔ لہٰذا، حضرت نوحؑ کا حوالہ دینے کا مقصد مومن کو تسلی

دیناہے، جو یہ دیکھ کر پریشان ہو سکتا ہے کہ اس کے زیادہ تر ساتھی اس سچائی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں، جو اس پر خود ساختہ طور پر ظاہر ہوتی ہے۔

خدا کا عذاب

اور نوح کی قوم نے بھی جب پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر ڈالا اور لوگوں کے لئے نشانی بنا دیا۔ اور ظالموں کے لئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے (الفرقان، 37)

(آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب پہلے غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے۔ تو انہوں نے خدا کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا (نوح، 25)

اور ہم کو نوح نے پکارا سو (دیکھ لو کہ) ہم (دعا کو کیسے) اچھے قبول کرنے والے ہیں ﴿۷۵﴾ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی ﴿۷۶﴾ اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہی باقی رہ گئے ﴿۷۷﴾ اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا ﴿۷۸﴾ یعنی) تمام جہان میں (کہ) نوح پر سلام ﴿۷۹﴾ نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۸۰﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا ﴿۸۱﴾ پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا ﴿۸۲﴾ (الصافات، 75-82)

پس ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ان کو بچا لیا ﴿۱۱۹﴾ پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو ڈبو دیا ﴿۱۲۰﴾ بے شک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے ﴿۱۲۱﴾ اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے ﴿۱۲۲﴾ (الشعراء، 119-122)

حضرت محمد ﷺ اور حضرت نوحؑ کی کہانی

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے یہ قرآن اپنے دل سے بنا لیا ہے۔ کہہ دو کہ اگر میں نے دل سے بنا لیا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر اور جو گناہ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں (ھود، 35)

یہ (حالات) منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں۔ اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے (ھود، 49)

مندرجہ بالا آیات حضرت نوحؑ کے قصے سے متعلق ہیں جو قرآن مجید میں مستند عبارت کے ساتھ حضرت محمد ﷺ کو بتائی گئی ہیں۔ اگرچہ عربوں کو حضرت محمد ﷺ کی آمد سے پہلے ہی حضرت نوحؑ کا قصہ مبہم طور پر معلوم تھا، لیکن وہ اور پیغمبر ﷺ ان تفصیلات سے لاعلم تھے جو پچھلی قرآنی روایت میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں نے اپنے شوہروں کو دھوکہ دیا

خدا نے کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی تو وہ خدا کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ اور داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ (التحریم، 10)

حضرت لوطؑ کی بیوی کا قصہ اور اس کا اپنے شوہر کے ساتھ روحانی خیانت کا قصہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر مذکور ہے۔ مندرجہ بالا آیات میں صرف حضرت نوحؑ کی بیوی کا واضح حوالہ دیا گیا ہے، جس نے اپنے شوہر کو دھوکہ دیا۔ ان دونوں عورتوں کی تمثیل سے سب سے پہلے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک حقیقی راستباز شخص کے ساتھ سب سے قریبی رشتہ، چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، توبہ نہ کرنے والے گنہگار کو اس کے گناہ کے نتائج سے نہیں بچا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک سچے مومن کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے قطع تعلق کرے جو حق کا انکار کرنے پر تلے ہوئے ہیں، خواہ وہ اس کے قریب ترین اور عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔

کیا حضرت نوحؑ کا سیلاب مقامی علاقہ میں آیا تھا یا پوری دنیا میں آیا تھا؟

حضرت نوحؑ کے سیلاب سے متعلق قرآن کا ورژن پوری دنیا میں سیلاب آنے کے نظریے کی حمایت نہیں کرتا۔ صرف وہ لوگ جنہوں نے حضرت نوحؑ کو جھٹلایا تھا غرق ہو گئے تھے، لہٰذا سیلاب نے حضرت نوحؑ کی قوم کے علاقے کو متاثر کیا تھا، پوری دنیا کو نہیں۔ بائبل میں، سامریہ اور بیبلونیہ کے افسانوں میں، اور قرآن مجید میں جس سیلاب کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، وہ غالباً آج بحیرہ روم کے اندر آنے والے بہت بڑے طاس کے برفانی دور کے دوران سیلاب کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ سیلاب شاید بحر اوقیانوس کی جانب سے جدید جبر الٹر اور / یا بحیرہ اسود کی زمینی رکاوٹ کے ٹوٹنے کی وجہ سے آیا تھا جو اب ڈارڈینیلس کہلاتا ہے۔

6

حضرت ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کی مشرکوں کے خلاف ابتدائی جدوجہد کی جگہ اور آپؑ کا آبائی مقام عراق کے شہر میسوپوٹیمیا میں تھا۔

روحانی ارتقاء

اور ہم اس طرح ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں ﴿۷۵﴾ (یعنی) جب رات نے ان کو (پردۂ تاریکی سے) ڈھانپ لیا (تو آسمان میں) ایک ستارا نظر پڑا۔ کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں ﴿۷۶﴾ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ نہیں دکھائے گا تو میں ان لوگوں میں ہو جاؤں گا جو بھٹک رہے ہیں ﴿۷۷﴾ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے میرا پروردگار یہ ہے یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے لوگو! جن چیزوں کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں ﴿۷۸﴾ میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے تئیں اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ﴿۷۹﴾ (الانعام، 75-79)

مندرجہ بالا آیات میں حضرت ابراہیمؑ کی بتدریج سچائی کی گرفت کو بیان کیا گیا ہے، جو آسمانی مادے یعنی ستاروں، چاند اور سورج کی پرستش سے لے کر خدا کے ماورائی، معنوی وجود کے مکمل ادراک تک ان کی فطری ترقی کو بیان کرتی ہیں۔

تربیت یافتہ پرندوں کا قصہ

اور جب ابراہیم نے (خدا سے) کہا کہ اے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ خدا نے فرمایا کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ لیکن (میں دیکھنا) اس لئے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کرلے۔ خدا نے فرمایا کہ چار جانور پکڑوا کر اپنے پاس منگا لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کرادو) پھر ان کا ایک ٹکڑا ہر ایک پہاڑ پر رکھوا دو پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑتے چلے آئیں گے۔ اور جان رکھو کہ خدا غالب اور صاحب حکمت ہے۔ (البقرہ، 260)

تربیت یافتہ پرندوں کا قصہ حضرت ابراہیمؑ کی روحانی نشو نماء اور قیامت سے متعلق خدا کی طاقت کو سمجھنے کی کوشش کے بارے میں بتاتا ہے۔ اس کہانی کا اخلاقی پہلو یہ ہے کہ "اگر انسان پرندوں کو اس طرح تربیت دے سکتا ہے کہ وہ اس کی پکار پر عمل کریں، تو ظاہر ہے کہ وہ خدا جس کی ہر چیز اطاعت کرتی ہے، محض یہ حکم دے کر زندگی کو وجود میں لا سکتا ہے کہ 'ہو جا!' "

بادشاہ سے مکالمہ

بھلا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو اس (غرور کے) سبب سے کہ خدا نے اس کو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے پروردگار کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا میرا پروردگار تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ وہ بولا کہ جلا اور مار تو میں بھی سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ خدا تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے آپ اسے مغرب سے نکال دیجیے (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا اور خدا بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا (البقرہ، 258)

نمرود غالباً وہ بادشاہ تھا جس کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ نے مذکورہ بالا مکالمہ کیا تھا۔

اپنے والد کے ساتھ مکالمہ

اور (وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ تم بتوں کو کیا معبود بناتے ہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو (الانعام، 74)

حضرت ابراہیمؑ کے والد کا پیشہ بڑھئی کا کام کرنا اور عبادت کے لیے مجسمے بنانا اور فروخت کرنا تھا۔ بائبل میں حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام تیرہ اور قرآن مجید میں آزر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کو دوسرے ناموں (یا عہدوں) سے جانا جاتا تھا۔ چنانچہ مختلف تلمودی قصوں میں انہیں زارہ کہا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یوسیبیئس پامفیلی (ایک کلیسیائی مورخ جو مسیحی دور کی تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے آغاز تک زندہ رہا) ان کا نام اطہر بتاتا ہے۔ آزر کا لقب (جس کا ذکر قرآن مجید میں 6:74 میں صرف ایک بار آیا ہے) اسلام سے پہلے اطہر یا زارہ کی عربی شکل سے منسوب ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مثالوں کا ذکر آتا ہے، جیسا کہ ذیل میں بیان کیا گیا ہے، جہاں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے والد کے درمیان شرک کے بارے میں بحث ہوئی۔

آباؤ اجداد کی اندھی تقلید

اور ہم نے ابراہیمؑ کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے ﴿۵۱﴾ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی پرستش) پر تم معتکف (و قائم) ہو؟ ﴿۵۲﴾ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے ﴿۵۳﴾ (الانبیاء، 51-53)

وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں ﴿۷۱﴾ ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ ﴿۷۲﴾ یا تمہیں کچھ فائدے دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ﴿۷۳﴾ انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے ﴿۷۴﴾ (الشعراء، 71-74)

"[موسیٰ کے زمانے] سے بہت پہلے" کے الفاظ انسان کی مذہبی بصیرت اور تجربے میں تسلسل کے عنصر پر زور دیتے ہیں۔ "اس کا شعور تھا کہ صحیح کیا ہے" کے معنی حضرت ابراہیمؑ کے خدا کی قادر مطلقیت اور انفرادیت کی جانچ میں پیشرفت کے ذاتی، فکری معیار پر زور دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے بُت پرستی پر حضرت ابراہیمؑ کی اس تنقید کا براہِ راست جواب دینے سے گریز کیا، کہ یہ بُت نہ آپ کی سنتے ہیں، نہ فائدہ پہنچاتے ہیں اور نہ ہی نقصان پہنچاتے ہیں۔ "ہمارے آباؤ اجداد بھی یہی کرتے تھے" محض اس کے قدیم ہونے پر زور دیتا ہے، اور وقت کی یہ قدیمی فوقیت اس بُت پرستی کے درست ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بُت کی پوجا کرنا شیطان کی عبادت کے برابر ہے

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو۔ بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے ﴿۴۱﴾ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابّا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں ﴿۴۲﴾ ابّا مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا ہے تو میرے ساتھ ہوجیئے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا ﴿۴۳﴾ ابّا شیطان کی پرستش نہ کیجیے۔ بے شک شیطان خدا کا نافرمان ہے ﴿۴۴﴾ ابّا مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو خدا کا عذاب آپکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں ﴿۴۵﴾ (مریم، 41-45)

"علم" کی کرن سے مراد خدا کے وجود اور انفرادیت کا علمی بصیرت سے ادراک ہونا ہے۔ خدا کے سوا کسی بھی چیز کے ساتھ خدائی صفات کو منسوب کرنا اور اس موروثی مضحکہ خیزی کو "عبادت" کرنے کے مترادف قرار دینا بے عقلی اور ناشکری کی علامت ہے جو اپنے خالق کے خلاف شیطان کی بغاوت کو ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا، قرآن ہر اس تحریک کو بیان کرتا ہے جو فطری طور پر سچائی، عقل اور اخلاقیات کے خلاف ہو اور "شیطانیت" پر مبنی ہو، اور شیطانی اثرات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے ہر شعوری عمل کو "شیطان کی عبادت" کے طور پر بیان کرتا ہے۔ جان بوجھ کر گناہ کرنے کا سب سے ہولناک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ، انسان کو آخرت میں، ''شیطان کے ساتھی'' ہونے کا احساس ہو گا مگر دیر ہو چکی ہو گی۔

اس نے کہا ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے؟ اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کردوں گا اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا (مریم، 46)

اپنے باپ کی نجات کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی دعا

ابراہیم نے سلام علیک کہا (اور کہا کہ) میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔ بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے ﴿۴۷﴾ اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ خدا کے سوا پکارا کرتے ہیں ان سے کنارہ کرتا ہوں اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا ﴿۴۸﴾ (مریم، 47-48)

اے پروردگار مجھے علم ودانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر ﴿۸۳﴾ اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک (جاری) کر ﴿۸۴﴾ اور مجھے نعمت کی بہشت کے

وارثوں میں کر ﴿۸۵﴾ اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے ﴿۸۶﴾ اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کیجیو ﴿۸۷﴾ جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکا گا اور نہ بیٹے ﴿۸۸﴾ ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا) ﴿۸۹﴾ (الشعراء، 83-89)

آخر میں، اپنے باپ کی تردید کرنا

اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کا سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے۔ لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔ کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے (التوبہ، 114)

اپنے لوگوں کے ساتھ مکالمہ

اور ان ہی کے پیرووں میں ابراہیم تھے ﴿۸۳﴾ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے ﴿۸۴﴾ جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ ﴿۸۵﴾ کیوں جھوٹ (بنا کر) خدا کے سوا اور معبودوں کے طالب ہو؟ ﴿۸۶﴾ بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ ﴿۸۷﴾ تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی ﴿۸۸﴾ اور کہا میں تو بیمار ہوں ﴿۸۹﴾ (الصافات، 83-89)

یہاں ستاروں، سورج یا چاند کے ساتھ خدا کی شناخت کرنے کی ان کی ابتدائی کوششوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (دیکھیں- 78-76:6)۔ ایک خدا کے بجائے آپ کے بتوں کی پوجا کرنے پر کہا کہ "میں بیمار ہوں"۔

مادی دنیا کی محبت

اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لئے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا (العنکبوت، 25)

مندرجہ بالا آیت روایت، روحانی پیشوا، یا اس مادی دنیا کی محبت میں اندھے اعتماد کی بنیاد پر مذہبی طریقوں کو بلاشبہ اپنانے کی سخت ترین مذمت کرنے والے آیتوں میں سے ایک ہے۔

میں تمہارے ان بے جان بتوں سے نہیں ڈرتا

اور ان کی قوم ان سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے خدا کے بارے میں (کیا) بحث کرتے ہو اس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے۔ اور جن چیزوں کو تم اس کا شریک بناتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا۔ ہاں جو میرا پروردگار چاہے۔ میرا پروردگار اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم خیال نہیں کرتے۔ ﴿۸۰﴾ بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے۔ اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ) ﴿۸۱﴾ (الانعام، 80-81)

راہِ حق پر محفوظ

بھلا میں ان چیزوں سے جن کو تم (خدا کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ شریک بناتے ہو جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے۔ اگر سمجھ رکھتے ہو (تو بتاؤ) ﴿۸۱﴾ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو (شرک کے) ظلم سے مخلوط نہیں کیا ان کے امن (اور جمعیت خاطر) ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں ﴿۸۲﴾ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے ﴿۸۳﴾ (الانعام، 81-83)

جیسا کہ اللہ کی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ کا استدلال الہامی اور قرآن کے پیروکاروں کے لیے درست تھا۔" درجے بلند کر دیتے ہیں" سے مراد بہت سے درجے ہو سکتے ہیں، جو اس زبردست روحانی عظمت والے کی نشاندہی کرتا ہے جس کے لیے انبیاء کی ایک لمبی قطار کا یہ پیش خیمہ پروان چڑھایا گیا۔

دشمنی کا اعلان

تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم خدا کے سوا

پوجتے ہو بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہوسکتے) اور جب تک تم خدائے واحد اور ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔ ہاں ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا اور خدا کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار تجھ ہی پر ہمارا بھروسہ ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں (ہمیں) لوٹ کر آنا ہے (الممتحنہ، 4)

آخر کار حضرت ابراہیمؑ نے اپنی برادری سے رشتہ توڑ دیا۔ دلی محبت نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے والد کے ساتھ "دشمنی اور نفرت" کا اعلان کرنے سے روکے رکھا۔ تاہم، جب ان کے والد ایک مشرک کے طور پر مر گئے، تو حضرت ابراہیمؑ ان کی تردید کرنے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو توڑنا

(ابراہیم نے) کہا کہ تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے ﴿۵۴﴾ وہ بولے کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟ ﴿۵۵﴾ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں ﴿۵۶﴾ اور خدا کی قسم جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا ﴿۵۷﴾ (الانبیاء، 54-57)

ران کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ﴿۵۸﴾ کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے ﴿۵۹﴾ لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اس کو ابراہیم کہتے ہیں ﴿۶۰﴾ وہ بولے کہ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ گواہ رہیں ﴿۶۱﴾ (جب ابراہیم آئے تو) بت پرستوں نے کہا کہ ابراہیم بھلا یہ کام ہمارے معبودوں کے ساتھ تم نے کیا ہے؟

﴿۶۲﴾ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت) نے کیا (ہوگا)۔ اگر یہ بولتے ہیں تو ان سے پوچھ لو ﴿۶۳﴾ انہوں نے اپنے دل غور کیا تو آپس میں کہنے لگے بے شک تم ہی بے انصاف ہو ﴿۶۴﴾ پھر (شرمندہ ہو کر) سر نیچا کر لیا (اس پر بھی ابراہیم سے کہنے لگے کہ) تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں ﴿۶۵﴾ (الانبیاء، 58-65)

انہوں نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟ ﴿۹۵﴾ حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے ﴿۹۶﴾ (الصافات، 95-96)

حضرت ابراہیمؑ کا دلیل دینے کا طریقہ کچھ اس طرح ہے: "کیا آپ کائنات کے خالق اور رب کے وجود پر یقین رکھتے ہیں؟" ان کے لوگ ہاں میں جواب دینے کے پابند تھے کیونکہ ایک اعلیٰ دیوتا پر یقین رکھنا ان کے مذہب کا ایک لازمی حصہ تھا۔ استدلال کا اگلا مرحلہ یہ ہوگا کہ، "تو پھر، آپ کائنات کے خالق کے تصور کے ساتھ ساتھ بُتوں کی پرستش کیسے کر سکتے ہو، جو کہ آپ کے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں؟

(ابراہیم نے) کہا پھر تم خدا کو چھوڑ کر کیوں ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں کچھ فائدہ دے سکیں اور نقصان پہنچا سکیں؟ ﴿۶۶﴾ تف ہے تم پر اور جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو ان پر بھی کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ ﴿۶۷﴾ (الانبیاء، 66-67)

سب سے پہلے، انہوں نے حضرت ابراہیمؑ پر عجلت میں شک کرنے کے لیے بحث کی، اور پھر حضرت ابراہیمؑ کو بری کرنے اور اپنے سابقہ شک کی طرف واپس جانے کے لیے ان کی تیاری میں اچانک تبدیلی آئی۔ بتوں کو توڑ کر حضرت ابراہیمؑ نے ایک نظریہ پیش کیا کہ تم ایسی چیز کی پرستش کیوں کرتے ہو جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ تمہارے کچھ کام آتی ہے؟

حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالنا

وہ کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو (الصافات، 97)

(تب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں (اس سے اپنے معبود کا انتقام لینا اور) کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو ﴿۶۸﴾ ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب) سلامتی (بن جا) ﴿۶۹﴾ (الانبیاء، 68-69)

تو اُن کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اُسے مار ڈالو یا جلا دو۔ مگر خدا نے اُن کو آگ (کی سوزش) سے بچا لیا۔ جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کے لئے اس میں نشانیاں ہیں (العنکبوت، 24)

غرض انہوں نے ان کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے ان ہی کو زیر کر دیا (الصافات، 98)

پس اُن پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم) کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بیشک وہ غالب حکمت والا ہے (العنکبوت، 26)

مقدس سرزمین کی طرف ہجرت

اور ابراہیم بولے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائے گا (الصافات، 99)

اور ان لوگوں نے برا تو ان کا چاہا تھا مگر ہم نے ان ہی کو نقصان میں ڈال دیا ﴿۷۰﴾ اور ابراہیم اور لوط کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہل عالم کے لئے برکت رکھی تھی ﴿۷۱﴾ (الانبیاء، 70-71)

"سب سے بڑا نقصان" سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا اپنے وطن کو چھوڑ دینا اور اس طرح اپنے لوگوں کو ان کی روحانی جہالت میں چھوڑ دینا ہے۔ مبارک سرزمین سے مراد فلسطین ہے جو بعد میں انبیاءؑ کی ایک لمبی لڑی کا وطن بنا۔ قرآن میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جسمانی طور پر آگ میں ڈالا گیا اور معجزانہ طور پر اس میں زندہ رکھا گیا۔ اس کے مطابق، فقرہ "خدا نے انہیں آگ سے بچایا" اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انہیں جب آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ اس آزمائش کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ کو روحانی طاقت اور اندرونی سکون ملا۔

حضرت ابراہیمؑ کے عقیدہ کی پیروی کریں

بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور خدا کے فرمانبردار تھے۔ جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۲۰﴾ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا ﴿۱۲۱﴾ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی۔ اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے ﴿۱۲۲﴾ (النحل، 120-122)

اس فقرے ("ہر برائی سے منہ موڑنا") کا اطلاق ان لوگوں پر کیا گیا جو صحیح حالت یا رجحان کی طرف مائل تھے۔ اسلام سے پہلے کے زمانے میں، اس اصطلاح کا ایک توحیدی مفہوم تھا۔ یہ ایک ایسے شخص کی وضاحت کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا جو گناہ سے بھرپور دنیا پرستی اور مشکوک عقائد، بالخصوص بت پرستی کو چھوڑ دیتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں وحدت الٰہی کے متلاشیوں کی پرجوش عقیدت بنیادی طور پر طویل عبادتوں اور دعاؤں پر مشتمل ہوتی تھی۔

ابراہیم اور ان کے پیروکاروں کی دعا

اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں کے ہاتھ سے عذاب نہ دلانا اور اے پروردگار ہمارے ہمیں معاف فرما۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے (الممتحنۃ، 5)

ہم ایک خدا کی عبادت کیوں کریں؟

ابراہیم نے کہا کیا تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو ﴿۷۵﴾ تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی ﴿۷۶﴾ وہ میرے دشمن ہیں۔ مگر خدائے رب العالمین (میرا دوست ہے) ﴿۷۷﴾ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے ﴿۷۸﴾ اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ﴿۷۹﴾ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے ﴿۸۰﴾ اور جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا ﴿۸۱﴾ اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا ﴿۸۲﴾ (الشعراء، 75-82)

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں ﴿۲۶﴾ ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا ﴿۲۷﴾ اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں ﴿۲۸﴾ بات یہ ہے کہ میں ان کفار کو اور ان کے باپ دادا کو متمتع کرتا رہا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف بیان کرنے والا پیغمبر آ پہنچا ﴿۲۹﴾ (الزخرف، 26-29)

مندرجہ بالا آیات اس بات کا اعادہ کرتی ہیں کہ محض آبائی روایت کے ذریعہ منظور شدہ اور اپنے ماحول میں رائج مذہبی نظریات کو اندھا دھند قبول کرنا اور ان کو صحیح قرار دینا، چاہے وہ عقل اور / یا وحی الٰہی سے متصادم ہوں، ناقابلِ قبول ہیں۔ تاہم، خدا نے وحی کے ذریعے صحیح اور غلط کے بارے میں واضح پیغام دینے سے پہلے ان پر کوئی اخلاقی ذمہ داری عائد نہیں کی۔ یہ پیغمبر کے کافر ہم عصروں کی اس خوشحالی کی طرف اشارہ ہے جس سے انہیں طویل عرصے تک لطف اندوز ہونے دیا گیا تھا (cf. 21:44)۔ اس اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا لوگوں کو کبھی بھی ان کے کسی بھی غلط کام کے لیے سزا نہیں دے گا، جب تک کہ انہیں واضح طور پر یہ نہ بتا دیا جائے کہ اچھے اور برے کے درمیان تمیز کیسے کی جائے (cf. 6:131-132)۔

اس رب کی عبادت کرو جو تمہیں پالنے والا ہے

اور ابراہیمؑ کو (یاد کرو) جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۱۶﴾ تو تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور طوفان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس خدا ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے ﴿۱۷﴾ اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی اُمتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں۔ اور پیغمبر کے ذمے کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ﴿۱۸﴾ (العنکبوت،16-18)

ایک بہترین مثال کے طور پر حضرت ابراہیمؑ

تم (مسلمانوں) کو یعنی جو کوئی خدا (کے سامنے جانے) اور روز آخرت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو اسے ان لوگوں کی نیک چال چلنی (ضرور) ہے۔ اور رو گردانی کرے تو خدا بھی بے پرواہ اور سزاوار حمد (وثنا) ہے (الممتحنہ،6)

بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور خدا کے فرمانبردار تھے۔ جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۲۰﴾ اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا ﴿۱۲۱﴾ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی۔ اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے ﴿۱۲۲﴾ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے ﴿۱۲۳﴾ (النحل،120-123)

7

حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ

یہودیت کا مختصر تعارف

یہودی لوگ یقین رکھتے ہیں کہ خدا دنیا کا واحد خالق اور مالک ہے۔ اس کا نہ کوئی مدد گار ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی حریف ہے۔ خدا ہر ہونے والے کام کے پیچھے پوشیدہ قوت ہے اور وہ ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ یہودیت سب سے قدیم خالص توحید پرست عقیدہ ہے۔ پہلا معاہدہ خدا اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان ہوا تھا۔ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کچھ چیزیں کرنے کو کہا، جس کے بدلے میں خدا نے ان کا خاص خیال رکھنے کا وعدہ کیا۔ اس عہد کی علامت کے طور پر یہودی اور مسلمان مردوں کا ختنہ کیا جاتا ہے۔ تورات میں حضرت ابراہیمؑ کو عبرانی کہا گیا ہے اور یہ نام ان کی اولاد کی زبان سے وابستہ ہے۔ ان کے پوتے حضرت یعقوبؑ کو دوسرا نام اسرائیل دیا گیا اور یہ نام اسرائیل کی سرزمین کے ساتھ قریبی طور پر جڑا ہوا ہے۔

مصر میں 210 سال کی غلامی کے بعد، خدا اپنے لوگوں کو پہاڑ پر لے گیا، جہاں اس نے ان کے ساتھ دوسرا عہد کیا اور انہیں زندگی کے لیے ہدایات دیں۔ حضرت موسیٰؑ یہودیوں کو مصر سے باہر لے گئے، اور خدا نے پہاڑ پر ان کے ساتھ بات چیت کی۔ یہودیوں کو منتخب کردہ خاص لوگوں کے طور پر تصور کرنے کی بنیاد پر خدا اور یہودیوں کے درمیان عہد ہوا تھا۔ خدا کی تمام نعمتوں کے بدلے میں، یہودی لوگوں کو خدا کے قوانین کو برقرار رکھنے اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں پاکیزگی لانے کی کوشش کرنے کی ضرورت تھی۔

سب سے اہم مذہبی دستاویز تورات ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے تخلیق کی کہانی اور حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کی اپنے زمانے تک کی تاریخ کو ایک کتاب میں درج کیا جو تورات یا **موسیٰؑ کی پانچ کتابوں** کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے علاوہ تورات میں ذاتی اور معاشرہ کے اندر زندگی گزارنے کے لیے خدا کی ہدایات بھی موجود ہیں۔ 613 ہدایات ہیں جنہیں متزوہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ ان میں سے کچھ متزوہ مقدس ہیکل سے متعلقہ ہیں، اور باقی یہودیوں کی روزمرہ کی زندگی پر لاگو ہوتے ہیں۔

زبانی تورات: حضرت موسیٰؑ نے تورات میں جو الہامی روایات درج کی ہیں ان کے ساتھ ساتھ خدا کی طرف سے بہت سی تفصیلات اور احکام کو زبانی طور پر بتایا اور محفوظ کیا گیا ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، ہر نسل کے بزرگوں نے تورات پر بحث کی اور اس کے اصولوں کی وضاحت کی۔ آخرکار، ان مباحثوں کو تحریر کیا گیا، جس سے مشنہ، تلمود اور مدرش بن گئیں۔ یہودی عالموں کو ربی کہا جاتا ہے جو تورات کے اہم شعبوں میں مہارت رکھتے ہیں۔

اور جب ابراہیم ان لوگوں سے اور جن کی وہ خدا کے سوا پرستش کرتے تھے اُن سے الگ ہوگئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق کو) یعقوب بخشے۔ اور سب کو پیغمبر بنایا ﴿۴۹﴾ اور ان کو اپنی رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں۔ اور ان کا ذکر جمیل بلند کیا ﴿۵۰﴾ (مریم، 49-50)

اور ہم نے اُن کو اسحٰق اور یعقوب بخشے اور اُن کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی اُن کا صلہ عنایت کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے (العنکبوت، 27)

حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی خوشخبری لانے والے فرشتے

بھلا تمہارے پاس ابراہیمؑ کے معزز مہمانوں کی خبر پہنچی ہے؟ ﴿۲۴﴾ جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا (دیکھا تو) ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان ﴿۲۵﴾ تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے ﴿۲۶﴾ (اور کھانے کے لئے) ان کے آگے رکھ دیا۔ کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ ﴿۲۷﴾ اور دل میں ان سے خوف معلوم کیا۔ (انہوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے۔ اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی ﴿۲۸﴾ (الذاریات، 24-28)

اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا۔ انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔ ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے ﴿۶۹﴾ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا۔ (فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے، ہم قوم لوط کی طرف (ان کے ہلاک کرنے کو) بھیجے گئے ہیں ﴿۷۰﴾ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی، ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحاق

کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی﴿۷۱﴾ اس نے کہا اے ہے میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور میرے میاں بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے﴿۷۲﴾ انہوں نے کہا کیا تم خدا کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں۔ وہ سزاوار تعریف اور بزرگوار ہے﴿۷۳﴾ (ھود، 69-73)

اصطلاح "ہمارے پیغمبر" یا فرشتے اکثر آسمانی پیامبر کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ انہوں نے کھانا نہیں کھایا کیونکہ وہ فرشتے تھے (بائبل کے بیان بابِ پیدائش 18:8 کے برعکس)۔ مہمان نوازی کی عرب روایت میں، کسی اجنبی کا اسے پیش کردہ کھانا کھانے سے انکار غیر دوستانہ رویے کی نشاندہی کرتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ، جو اس وقت تک نہیں جانتے تھے کہ ان کے مہمان فرشتے ہیں، وہ ان کی طرف سے ممکنہ دشمنی سے ڈرنے لگے۔ حضرت سارہؑ نے محسوس کیا کہ اجنبی خدا کا پیغام لانے والے ہیں اس لیے انہیں اور حضرت ابراہیمؑ کو ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا، ان الفاظ "خوشی کے ساتھ" سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں خوشی سے مسکرا دیے۔

حضرت سارہؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا شکوک و شبہات کا اظہار کرنا

تو ابراہیمؑ کی بیوی چلاّتی آئی اور اپنا منہ پیٹ کر کہنے لگی کہ (اے ہے ایک تو) بڑھیا اور (دوسرے) بانجھ﴿۲۹﴾ (انہوں نے) کہا (ہاں) تمہارے پروردگار نے یوں ہی فرمایا ہے۔ وہ بے شک صاحب حکمت (اور) خبردار ہے﴿۳۰﴾ ابراہیمؑ نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں﴿۳۲﴾ تاکہ ان پر کھنگر برسائیں﴿۳۳﴾ جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیئے گئے ہیں﴿۳۴﴾ (الذاریات، 29-34)

بولے کہ جب مجھے بڑھاپے نے آ پکڑا تو تم خوشخبری دینے لگے۔ اب کاہے کی خوشخبری دیتے ہو﴿۵۴﴾ (انہوں نے) کہا ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوئیے﴿۵۵﴾ (الحجر، 54-55)

فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو خدا کی مرضی سے سچائی کی بشارت دی ہے۔ کیا آپ کو خدا کا حکم عجیب لگتا ہے؟ اس بیاناتی سوال کا مطلب صرف اوپر والے بیان سے ہی نکالا جا سکتا ہے، یعنی اس بیان کی اہمیت کی وجہ سے، اسے قرآن مجید میں کئی بار دہرایا گیا ہے کہ: "جب خدا چاہتا ہے کہ کوئی چیز ہو جائے تو وہ کہتا ہے کہ "ہو جا" - اور وہ ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے متعلق اوپر دی گئی آیت میں خدا کے فضل کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے: "اپنا راستہ مکمل طور پر بھٹک جانے والے لوگوں کے علاوہ باقی لوگ – کیا اپنے رب کے فضل کی امید کو کبھی بھول سکتے ہیں؟"

اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق عطا کئے۔ اور مستزاد برآں یعقوب۔ اور سب کو نیک بخت کیا﴿۷۲﴾ اور ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰة دینے کا حکم بھیجا۔ اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے﴿۷۳﴾ (الانبیاء، 72-73)

اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے﴿۴۵﴾ ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا﴿۴۶﴾ اور ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے﴿۴۷﴾ (ص، 45-47)

بنی اسرائیل میں نیک اور بدکار لوگ

نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں﴿۱۱۰﴾ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے﴿۱۱۱﴾ اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے)﴿۱۱۲﴾ اور ہم نے ان پر اور اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں۔ اور ان دونوں اولاد کی میں سے نیکوکار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گنہگار) بھی ہیں﴿۱۱۳﴾ (الصافات، 110-113)

کسی نبی یا ولی کو خدا کی رحمت حاصل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ، ان کی نسل کو بھی کوئی خاص درجہ یا مقام حاصل ہو۔

حضرت یعقوبؑ کی اپنے بیٹوں کو نصیحت

اور ابرہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا) کہ بیٹا خدا نے تمہارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے تو مرنا ہے تو مسلمان ہی مرنا﴿۱۳۲﴾ بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے، تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اُسی کے حکم

بردار ہیں﴿۱۳۳﴾ (البقرہ،132-133)

قدیم عبرانی زبان میں استعمال کیا جانے والا لفظ ("باپ") کلاسیکی عربی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، جس کا اطلاق براہِ راست مرد والدین یعنی باپ دادا اور اس سے بھی زیادہ دور کے آباؤ اجداد یعنی پھوپھی اور چچا پر ہوتا تھا۔ یہ وضاحت کرتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے چچا حضرت اسماعیلؑ کا اس تناظر میں ذکر کیوں کیا گیا ہے۔ چونکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹوں میں سے پہلا بیٹا تھا، اس لیے ان کا نام حضرت اسحاقؑ سے پہلے آیا ہے۔

8

حضرت لوطؑ

حضرت لوطؑ سدوم میں ایک اجنبی شخص تھے، جو میسوپوٹیمیا سے آئے تھے، انہیں خدا نے اپنا عذاب دینے سے پہلے سڈوم کی گنہگار بستی کی رہنمائی کرنے کا حکم دیا تھا۔ حضرت لوطؑ، حضرت ابراہیمؑ کے بھائی کے بیٹے تھے، وہ بحیرہ مردار کے قریب رہتے تھے (جسے عربی میں بحر لوط یعنی "لوطؑ کا سمندر" کہا جاتا ہے)۔ پورے قرآن مجید میں، "لوط کی قوم" کا لفظ سڈوم کے قصبے (یا اس ملک) کے لوگوں کی نشاندہی کرتا ہے، جن لوگوں میں حضرت لوطؑ نے رہنے کا انتخاب کیا تھا اور جن کے لیے انہیں پیغمبرانہ مشن سونپا گیا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حضرت لوطؑ کی ہجرت

پس اُن پر (ایک) لوط ایمان لائے اور (ابراہیم) کہنے لگے کہ میں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بیشک وہ غالب حکمت والا ہے (العنکبوت، 26)

لفظ ہجرت (برائی کا علاقہ چھوڑ دینا) طبعی اور روحانی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ اس سے پہلے کے حوالے (19:48-49) میں حضرت ابراہیمؑ کا اپنے برے، مقامی ماحول سے "دستبرداری" اختیار کرنا اور حران (شمالی میسوپوٹیمیا میں) اور اس کے بعد شام اور فلسطین کی طرف ان کی جسمانی ہجرت کرنے سے مماثلت رکھتا ہے۔

فرشتوں کا حضرت ابراہیمؑ کے لیے اچھی اور بری خبریں لانا

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشی کی خبر لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں کہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں ﴿۳۱﴾ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں۔ ہم اُن کو اور اُن کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز اُن کی بیوی کے وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی ﴿۳۲﴾ (العنکبوت، 31-32)

ابراہیمؑ نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟ ﴿۳۱﴾ انہوں نے کہا کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿۳۲﴾ تاکہ ان پر کھنگر برسائیں ﴿۳۳﴾ جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیئے گئے ہیں ﴿۳۴﴾ (الذاریات، 31-34)

جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں لگے ہم سے بحث کرنے ﴿۷۴﴾ بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے ﴿۷۵﴾ اے ابراہیم اس بات کو جانے دو۔ تمہارے پروردگار کا حکم آپہنچا ہے۔ اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہیں ٹلنے کا ﴿۷۶﴾ (ھود، 74-76)

انہوں نے خدا سے نہیں بلکہ "خدا کے بھیجے ہوئے قاصدوں" سے التجاء کی، جنہوں نے سڈوم اور گومورہ کے آنے والے عذاب کا اعلان کیا تھا۔

حضرت لوطؑ کی تبلیغ

(اور قوم) لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا ﴿۱۶۰﴾ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ ﴿۱۶۱﴾ میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۱۶۲﴾ تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو ﴿۱۶۳﴾ اور میں تم سے اس (کام) کا بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ (خدائے) رب العالمین کے ذمے ہے ﴿۱۶۴﴾ کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو ﴿۱۶۵﴾ اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو ﴿۱۶۶﴾ (الشعراء، 160-166)

اور لوط کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بے حیائی (کے کام) کیوں کرتے ہو اور تم دیکھتے ہو ﴿۵۴﴾ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر (لذت حاصل کرنے) کے لئے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو ﴿۵۵﴾ (النمل، 54-55)

اور اسی طرح جب ہم نے لوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا تو) اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے اہل عالم میں سے کسی

نے اس طرح کا کام نہیں کیا﴿۸۰﴾ یعنی خواہش نفسانی پوراکرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد سے نکل جانے والے ہو﴿۸۱﴾ (الاعراف،80-81)

اور لوط (کو یاد کرو) جب اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم (عجب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو۔ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا ﴿۲۸﴾ تم کیوں (لذت کے ارادے سے) لونڈوں کی طرف مائل ہوتے اور (مسافروں کی) رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔ تو اُن کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ﴿۲۹﴾ (العنکبوت،28-29)

حضرت لوطؑ کی قوم کا ردعمل

تو ان سے اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا اور بولے تو یہ بولے کہ ان لوگوں (یعنی لوط اور اس کے گھر والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ) یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں (الاعراف،82)

تم کیوں (لذت کے ارادے سے) لونڈوں کی طرف مائل ہوتے اور (مسافروں کی) رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔ تو اُن کی قوم کے لوگ جواب میں بولے تو یہ بولے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لے آؤ (العنکبوت،29)

اور تمہارے پروردگار نے جو تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑ دیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو﴿۱۶۶﴾ وہ کہنے لگے کہ لوط اگر تم باز نہ آؤ گے تو شہر بدر کر دیئے جاؤ گے﴿۱۶۷﴾ لوط نے کہا کہ میں تمہارے کام کا سخت دشمن ہوں﴿۱۶۸﴾ اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں (کے وبال) سے نجات دے﴿۱۶۹﴾ (الشعراء،167-169)

حضرت لوطؑ کے گھر میں فرشتوں کا داخل ہونا

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ اُن (کی وجہ) سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے۔ فرشتوں نے کہا کچھ خوف نہ کیجئے۔ اور نہ رنج کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچا لیں گے مگر آپ کی بیوی کہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی﴿۳۳﴾ ہم اس بستی کے رہنے والوں پر اس سبب سے کہ یہ بدکرداری کرتے رہے ہیں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں﴿۳۴﴾ اور ہم نے سمجھنے والے لوگوں کے لئے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی﴿۳۵﴾ (العنکبوت،33-35)

پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے﴿۶۱﴾ تو لوط نے کہا تم تو ناآشنا سے لوگ ہو﴿۶۲﴾ وہ بولے کہ نہیں بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے﴿۶۳﴾ اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں﴿۶۴﴾ (الحجر،61-64)

چونکہ حضرت لوطؑ کا خیال تھا کہ خوبصورت اجنبی لوگوں یعنی فرشتوں سے زیادہ وہاں کے لوگ خوبصورت نہیں تھے، اس لیے انہیں یقین تھا کہ اس کے بدکار ہم وطن ان کے ساتھ جنسی زیادتی کریں گے۔ حضرت لوطؑ اپنے مہمانوں کو سڈوم کے لوگوں سے تحفظ فراہم کرنے میں اپنی مکمل نااہلی کی وجہ سے غمگین تھے، جن کے ہم جنس پرست رجحانات کو تب سے "سڈومی" کی اصطلاح میں یاد کیا جاتا ہے۔ "قیامت پر سوال اٹھاؤ"، یعنی اس کے بارے میں شک کرو جو جان بوجھ کر گناہ کرنے والوں پر اس دنیا میں یا آخرت میں ضرور آئے گی، یہ ایک ایسی پیش گوئی ہے جس کا گناہ گار خود اکثر مذاق اڑاتے ہیں (11:8)۔

خوبصورت اجنبیوں کی آمد پر پورے شہر کا خوشیاں منانا

اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے﴿۶۷﴾ (لوط نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا﴿۶۸﴾ اور خدا سے ڈرو۔ اور میری بے آبروئی نہ کیجو﴿۶۹﴾ وہ بولے کیا ہم نے تم کو سارے جہان (کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا﴿۷۰﴾ (انہوں نے) کہا کہ اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کر لو)﴿۷۱﴾ (اے محمدؐ) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے ﴿۷۲﴾ (الحجر،67-72)

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے﴿۷۷﴾ اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے ہی سے فعل شنیع کیا کرتے تھے۔ لوط نے کہا کہ اے قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے (جائز اور) پاک ہیں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے (بارے) میں میری آبرو نہ کھوؤ۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں ﴿۷۸﴾ (ھود،77-78)

میری قوم کی بیٹیوں کو لے لو

اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے ہی سے فعل شنیع کیا کرتے تھے۔ لوط نے کہا کہ اے قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے (جائز اور) پاک ہیں۔ تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے (بارے) میں میری آبرو نہ کھوؤ۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں ﴿۷۸﴾ وہ بولے تم کو معلوم ہے کہ تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں۔ اور جو ہماری غرض ہے اسے تم (خوب) جانتے ہو ﴿۷۹﴾ لوط نے کہا اے کاش مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا کسی مضبوط قلعے میں پناہ پکڑ سکتا ﴿۸۰﴾ (ھود، 78-80)

(اے محمد) تمہاری جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے (الحجر، 72)

یہ جملہ "میری یہ بیٹیاں" شاید یہاں "میری قوم کی بیٹیوں" کی طرف اشارہ کرتا ہے (چونکہ ایک نبی اپنی قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے)۔ وسیع تر مفہوم میں یہ مرد اور عورت کے درمیان فطری تعلق کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو کہ سڈوم کے مردوں کی الٹی خواہشات کے برعکس تھا۔ "میں کسی مضبوط مدد پر انحصار کر سکتا ہوں" اس سے متعلق ہمارے پاس متعدد مستند روایات ہیں (طبری نے جامع طور پر حوالہ دیا ہے) کہ یہاں حضرت لوطؑ کا مطلب خدا کی مدد پر انحصار کرنا تھا۔ حضرت محمد ﷺ نے قرآن کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا: "خدا نے حضرت لوطؑ پر اپنا فضل کیا، کیونکہ خدا نے اپنی مدد مانگنے کی دعا کو قبول کر لیا تھا!"

گنہگار بستی کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا

فرشتوں نے کہا کہ لوط ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے تو کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے کر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مُڑ کر نہ دیکھے۔ مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر پڑے گی۔ ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے۔ اور کیا صبح کچھ دور ہے؟ (ھود، 81)

تو آپ کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے نکلیں اور خود ان کے پیچھے چلیں اور اور آپ میں سے کوئی شخص مڑ کر نہ دیکھے۔ اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جایئے ﴿۶۵﴾ اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی ﴿۶۶﴾ (الحجر، 65-66)

"تم میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے،" ایک تجریدی معنوں میں، اس سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کو آپ پیچھے چھوڑ رہے ہیں—یعنی گناہ کے شہر کے ساتھ تمام قسم کے تعلقات کا خاتمہ کرنا ہے، نہ کہ محض جسمانی طور پر پیچھے مڑ کر دیکھنا ہے۔ حضرت لوطؑ کی بیوی، جو سڈوم کی رہنے والی تھی، نے اپنے شوہر کے ساتھ بے وفائی کی۔ اس نے ان کے پیغمبرانہ مشن پر یقین کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس کی کہانی "سچائی کو جھٹلانے والوں کی تمثیل کے طور پر پیش کی گئی"۔

عصمت دری کرنے کا ارادہ

اور لوطؑ نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا بھی تھا مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا ﴿۳۶﴾ اور ان سے ان کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو ﴿۳۷﴾ (القمر، 36-37)

یہاں "بینائی سے محرومی" کے الفاظ کو لغوی معنی کے طور پر بھی لیا جا سکتا ہے، یا یہ یہاں کسی کے شعور سے کسی چیز کی پردہ پوشی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی برائیوں اور تمام اخلاقی بصیرت سے محروم کر دیا جس کی وجہ سے انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب سے گزرنا پڑا۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب

تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس (بستی) کو (اُلٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر پتھر کی تہہ بہ تہہ (یعنی پے درپے) کنکریاں برسائیں ﴿۸۲﴾ جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کئے ہوئے تھے اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ﴿۸۳﴾ (ھود، 82-83)

سو ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑ نے آ پکڑا ﴿۷۳﴾ اور ہم نے اس شہر کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا۔ اور ان پر کھنگر کی پتھریاں برسائیں ﴿۷۴﴾ (الحجر، 73-74)

مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی ﴿۱۷۱﴾ پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا ﴿۱۷۲﴾ اور ان پر مینھ برسایا۔ سو جو مینھ ان (لوگوں) پر (برسا) جو ڈرائے گئے برا تھا ﴿۱۷۳﴾ (الشعراء، 171-173)

اور ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینھ برسایا۔ سو دیکھ لو کہ گنہگاروں کا کیسا انجام ہوا (الاعراف، 84)

لوط کی قوم نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا تھا﴿۳۳﴾ تو ہم نے ان پر کنکر بھری ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والے کہ ہم نے ان کو پچھلی رات ہی سے بچا لیا ﴿۳۴﴾ اپنے فضل سے شکر کرنے والوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں﴿۳۵﴾(القمر،33-35)

اور ان پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آنازل ہوا﴿۳۸﴾ تو اب میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو﴿۳۹﴾ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟﴿۴۰﴾(القمر،38-40)

سخت پتھر یا مٹی کے بنے ہوئے سخت پتھروں کو "پتھروں کی بارش" کے مترادف بتایا گیا ہے، جس کے نتیجے میں آتش فشاں کے پھٹنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ غالباً ایک شدید زلزلے کی صورت میں ہو سکتا ہے جیسا کہ پچھلے جملے "ہم نے ان لوگوں کی بستی کو الٹ کر اوپر نیچے کر دیا" میں بتایا گیا تھا۔ حتمی عذاب کا خطرہ ہر دور کے گنہگاروں پر لاگو ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو عذاب سے خبر دار کیا گیا تھا ان پر "پتھروں کی بارش کی گئی تھی"۔ یہاں، یہ جملہ خاص طور پر سڈوم اور گومورہ کے گنہگار لوگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "لوگوں کے لیے ایک واضح نشانی" سے مراد بحیرہ مردار کی طرف اشارہ ہے جسے آج تک بحر لوط (یعنی لوطؑ کا سمندر) کے نام سے جانا جاتا ہے، جو اس علاقے کے بیشتر حصے پر محیط ہے جس میں کبھی سڈوم اور گومورہ آباد تھے۔ اس کے پانیوں میں سلفر اور پوٹاش کی بڑی مقدار ہوتی ہے جس میں کوئی مچھلی یا پودا نہیں رہ سکتا۔

حضرت لوطؑ کی بیوی کے سوا ان کے باقی گھر والوں کا بچ جانا

تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا مگر ان کی بی بی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی(الاعراف،83)

تو وہاں جتنے مومن تھے ان کو ہم نے نکال لیا﴿۳۵﴾ اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا﴿۳۶﴾ اور جو لوگ عذاب الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لئے وہاں نشانی چھوڑ دی﴿۳۷﴾ (الذاریات،35-37)

حضرت لوطؑ کی بیوی، جو سڈوم کی رہنے والی تھی، نے اپنے شوہر کے ساتھ جانے کی بجائے باقی لوگوں کے ساتھ رہنے کا انتخاب کیا، اس طرح اس نے دھوکہ دیا۔ بائبل کے بیان کے برعکس، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت لوطؑ کی بیوی نادانستہ طور پر صرف "پیچھے مڑ کر دیکھا" (بابِ پیدائش 19:26)، قرآن واضح کرتا ہے کہ وہ سڈوم کے گناہگار لوگوں پر یقین ہونے کی وجہ سے جان بوجھ کر پیچھے رہ گئی، جو کہ اس کے شوہر پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ سڈوم اور گومورہ کی مکمل تباہی کر کے، ہم نے بدکرداروں کے لیے ایک نشانی چھوڑ دی۔

حضرت لوطؑ کا نیک لوگوں میں شمار

اور لوط (کا قصہ یاد کرو) جب ان کو ہم نے حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا اور اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے۔ بچا نکالا۔ بے شک وہ برے اور بدکردار لوگ تھے﴿۷۴﴾ اور انہیں اپنی رحمت کے (محل میں) داخل کیا۔ کچھ شک نہیں کہ وہ نیک بختوں میں تھے﴿۷۵﴾ (الانبیاء،74-75)

سڈوم اور گومورہ، بنی نوع انسان کا اخلاقی ورثہ

بے شک اس (قصے) میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے﴿۷۵﴾ اور وہ (شہر) اب تک سیدھے رستے پر (موجود) ہے﴿۷۶﴾ بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے﴿۷۷﴾ (الحجر،75-77)

بے شک اس میں نشانی ہے۔ اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے﴿۱۷۴﴾ اور تمہارا پروردگار تو غالب (اور) مہربان ہے۔﴿۱۷۵﴾(الشعراء،174-175)

اور تم دن کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو﴿۱۳۷﴾ اور رات کو بھی۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے﴿۱۳۸﴾ (الصافات،137-138)

مشرکین عرب کو تنبیہ

اور یہ کافر اس بستی پر بھی گزر چکے ہیں جس پر بری طرح کا مینہ برسایا گیا تھا۔ کیا وہ اس کو دیکھتے نہ ہوں گے۔ بلکہ ان کو (مرنے کے بعد) جی اُٹھنے کی امید ہی نہیں تھی۔﴿۴۰﴾ اور یہ لوگ جب تم کو دیکھتے ہیں تو تمہاری ہنسی اُڑاتے ہیں۔ کہ کیا یہی شخص ہے جس کو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے﴿۴۱﴾ اگر ہم نے اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہم کو بہکا دیتا۔ (اور ان سے پھیر دیتا) اور یہ عنقریب معلوم کر لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ سیدھے رستے سے

"وہ لوگ جو نشانیوں کو سمجھ سکتے ہیں" برائی میں مبتلاء جڑواں شہروں کی تباہی کے اس اہم واقعہ سے سبق سیکھ سکتے ہیں۔ جملے "وہ مل گئے" کو دو طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے سمجھا جاسکتا ہے۔ بحیرہ مردار سے گزرتی ہوئی شمالی حجاز سے شام کی طرف جانے والی سڑک ، شمال مشرق میں جاتی تھی جہاں سڈوم اور گومورہ واقع تھے

1. ان الفاظ "ان کا ملنا" یا "وہاں سے گزرنا" کے لغوی معنوں میں اس کا اطلاق پیغمبرؑ کے ہم عصروں اور مخالفین، مشرک مکہ والوں پر ہوتا ہے، جن کا شام جانے والا روایتی قافلہ بحیرہ مردار اور سڈوم اور گومورہ کے ممکنہ مقام کے قریب سے گزرتا تھا۔
2. یا پڑھنے یا سننے کے ذریعے "کسی چیز سے آگاہ ہونا" کے استعاراتی معنوں میں - اس صورت میں یہ ہر دور کے لوگوں اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سڈوم اور گومورہ کی کہانی انسانیت کے اخلاقی ورثے کا حصہ ہے۔

ہم جنس پرستی کے بارے میں اسلامی مؤقف

جنسی رجحان

جنسی رجحان ایک تسلسل پر مبنی ہوتا ہے جو خصوصی ہم جنس پرستی سے لے کر صرف مخالف جنس پرستی تک محدود ہوتا ہے اور اس میں دو جنسیت کی مختلف شکلیں بھی شامل ہیں۔ ہم جنس پرستی ایک ایسے شخص میں ہم جنس پرستی کے جذبات کا ایک مستقل نمونہ ہوتا ہے جس میں مخالف جنس پرستی کے جذبات کمزور یا مکمل طور پر غائب ہوں۔ ہم جنس پرست مردوں کو پیڈوفائلز (جو بچوں کی طرف جنسی طور پر راغب ہوتے ہیں) سے الگ قسم میں رکھنا چاہیے۔ کسی شخص کے جنسی رجحان کی ابتداء کے بارے میں بہت سے نظریات ہیں، اور یہ ممکنہ طور پر ماحولیاتی، علمی، اور حیاتیاتی عوامل کے پیچیدہ تعامل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہاں جینیاتی یا پیدائشی ہارمونل عوامل بھی ہوسکتے ہیں، جو کسی شخص کی جنسیت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس بارے میں اب بھی ایک تنازعہ موجود ہے کہ آیا ہم جنس پرستی موروثی ہوتی ہے یا اس کا خود انتخاب کیا جاتا ہے، جیسا کہ کچھ افراد اس کا خود انتخاب کرتے ہیں (یعنی فطرت بمقابلہ تربیت)۔

مخالف یا ہم جنس کی کشش یا احساسات

بالکل اسی طرح جیسے مخالف جنس کی کشش قدرتی عمل ہے، ویسے ہم جنس کے جذبات بھی بذات خود برے نہیں ہوتے۔ ہم جو محسوس کرتے ہیں اور سوچتے ہیں اس پر قابو پانا مشکل ہوتا ہے، لیکن ہم جو کچھ کرتے ہیں اسے کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے گناہ یا نیکی کا دارومدار اعمال اور ان کی نیتوں پر منحصر ہے۔ جنسی احساسات پر عمل کرنا مخالف جنس سے شادی کرنے کے برعکس ایک سنگین گناہ ہے۔ ہم جنس پرست یا مخالف جنس کی کشش رکھنے والا مسلمان جو اپنے ایمان کی خاطر اس گناہ پر عمل نہیں کرے گا اسے ایک نیک عمل میں شمار کیا جائے گا جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن دے گا۔ نبی کریم ﷺ کا مشہور فرمان ہے: "خدائے بزرگ وبرتر فرماتا ہے کہ: "اگر میرا بندہ صرف نیک عمل کرنے کا ارادہ کرے تو میں اس کی اس خواہش کو نیکی کے طور پر شمار کروں گا؛ اور اگر وہ یہ نیکی کرلے گا تو میں اسے دس گنا گنوں گا۔ اور اگر وہ برائی کا ارتکاب کرنا چاہے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو میں اسے نیکی شمار کروں گا۔ یہ دیکھ کر کہ اس نے صرف میری خاطر اس برائی سے اجتناب کیا"۔

یہ قرآن مجید کا بنیادی اصول ہے کہ اسلامی قوانین معاشرے کو تشکیل دیتے ہیں، معاشرہ اسلامی قوانین کو تشکیل نہیں دیتا۔ یعنی خدا کے احکامات کو انسانی خواہشات کے مطابق تبدیل نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ سیکولر معاشروں میں ہوتا ہے۔ قرآن نے ہم جنس پرستی کو اور شادی کے بغیر مخالف جنس پرستی کو گناہ قرار دیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ قرآن مجید میں شادی کے بغیر مخالف جنس کے ساتھ زنا کی سزا کے بارے میں بتایا گیا ہے لیکن قرآن مجید میں ہم جنس پرستی کے گناہ کی سزا کا تعین نہیں کیا گیا۔ لیکن خدا نے سڈوم اور گومورہ کی برادریوں کو پتھروں اور آگ کی سزا دی۔ نبی ﷺ کے مطابق انسان خدا کے عذاب کی نقل نہیں کرسکتا۔ مثال کے طور پر کسی شخص کو سزا کے طور پر زندہ جلانا اسلامی قانون کے تحت حرام ہے۔

اگر مناظرہ کے طور پر یہ کہا جائے کہ، ہم جنس پرستی انسان کے اندر پیدائشی طور پر ہوتی ہے، تو پھر ہم جنس پرستی کو گناہ کیوں سمجھا جائے؟ اخلاقیات کے قرآنی

نظریے کے مطابق، جنسی تعلق ایک حق نہیں ہے، بلکہ ایک استحقاق ہے، جو معاشرہ کے افراد کو شادی کر کے خاندان بنانے اور بچے پیدا کرنے کے لیے حاصل ہوتا ہے۔ ازدواجی قوانین تحفظ فراہم کرتے ہیں اور ان کا مقصد ایک ایسا ماحول فراہم کرنا ہے جہاں بچوں کی مناسب پرورش ہو اور ان کی ماؤں کو قانونی طور پر تحفظ حاصل ہو۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں غربت کے لحاظ سے سب سے بڑا گروپ اکیلی ماؤں کا ہے۔ ہم جنس پرستوں کے ملاپ سے حیاتیاتی بچوں کا کوئی امکان نہیں ہوتا، اور ہم جنس پرستوں کی شادیاں بے معنی اور غیر منطقی علامت ہوں گی۔ اسلامی معاشروں میں ہم جنس پرستوں کی شادیوں کو قانونی حیثیت دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

کسی شخص کے گھر کی چاردیواری کا احترام

مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہوا کرو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم) یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ شاید تم یاد رکھو﴿۲۷﴾ اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ اور جو کام تم کرتے ہو خدا سب جانتا ہے﴿۲۸﴾
(النور،27-28)

ہر مسلمان کو اپنے گھر میں رازداری کا بنیادی حق حاصل ہے۔ ہم جنس پرست جوڑے اپنے گھر کی رازداری میں جو کچھ کرتے ہیں وہ بہر حال گناہ ہے، لیکن کسی کا اس چیز سے کوئی سروکار نہیں۔ اسلام میں انسان اپنے گھر کا بادشاہ ہے۔ اگر ہم جنس پرست اور مخالف جنس پرست جوڑے اپنے تعلقات کو نجی رکھتے ہیں تو کسی کو بھی ان کے معاملات میں خفیہ طور پر دخل اندازی کرنے کا حق نہیں ہے۔ جنسی عوامل کی عوامی نمائش، چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز ہو، ہم جنس پرست ہو یا مخالف جنس پرست، یہ سیکولر معاشروں میں بھی جرم ہے۔

9

حضرت یوسف علیہ السلام

بائبل کے بیان کے مطابق، حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں: لیہ، راحیل اور دو کنیزیں۔ لیہ اور راحیل بہنیں تھیں، اور وہ حضرت یعقوبؑ کی فرسٹ کزن بھی تھیں۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے، جو اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے سردار بنے۔ ان میں سے ایک حضرت یوسفؑ تھے، جو عہد نامہ قدیم اور قرآن کی اہم شخصیت تھے۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت بنیامینؑ سگے بھائی تھے، دونوں حضرت یعقوبؑ کی بیوی راحیل کے بیٹے تھے، جبکہ باقی دس ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ حضرت یوسفؑ کی والدہ، راحیل، حضرت بنیامینؑ کو جنم دینے کے دوران فوت ہو گئیں۔

قرآن عام طور پر کوئی تاریخی داستان بیان نہیں کرتا، لیکن حضرت یوسفؑ کی کہانی کو استثناء حاصل ہے۔ اس سوال کے جواب کی تلاش میں قریش کے کافروں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ بنی اسرائیل مصر کیوں گئے تھے؟ یہ سوال اس لیے اٹھایا گیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ عربوں کو عام طور پر معلوم نہیں تھا اور نبی ﷺ نے اس سے پہلے کبھی ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ قریش نے کسی تسلی بخش جواب کی توقع نہ کرتے ہوئے پیغمبر کو جھوٹا قرار دینے کی کوشش کی۔ لیکن ان کی یہ چال پلٹ گئی جب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پوری کہانی اسی وقت بتا دی۔ پوری بارہویں سورت حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کے غموں اور دکھوں کے لیے وقف ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب

جب یوسفؑ نے اپنے والد سے کہا کہ ابا میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے۔ دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں ﴿۴﴾ انہوں نے کہا کہ بیٹا اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔ کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ﴿۵﴾ اور اسی طرح خدا تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔ اور جس طرح اس نے اپنی نعمت پہلے تمہارے دادا، پردادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اسی طرح تم پر اور اولادِ یعقوب پر پوری کرے گا۔ بے شک تمہارا پروردگار (سب کچھ) جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ﴿۶﴾ ہاں یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے والوں کے لیے (بہت سی) نشانیاں ہیں ﴿۷﴾ (یوسف، 4-7)

قرآن ظاہر کرتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے کے مستقبل کی عظمت سے متعلق خواب کے معنی کو سمجھنے میں ناکام نہیں ہوئے، جس میں گیارہ ستاروں سے مراد ان کے گیارہ بھائی اور سورج اور چاند سے مراد ان کے والدین تھے۔ لیکن بائبل میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ باپ نے اپنے بیٹے کو اس مفروضے کے تحت "ڈانٹا" کہ ان کا یہ خواب خواہش مندی کی سوچ کا نتیجہ تھا (بابِ پیدائش 37:10)۔ لیکن قرآن واضح کرتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو ان کی نبوت کی خوبی اور اس کے زیادہ گہرے مضمرات کا احساس تھا۔

یہ الفاظ "واقعات کے اندرونی معنی کی سمجھ بوجھ" خاص طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت ملنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مستقبل کے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوں جن کے لئے خدا حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے باطنی معنی (ظاہری شکل سے الگ نظر آنے والے) کے بارے میں کچھ تفہیم فراہم کرے گا۔ آخری جملے میں "کچھ علم عطا کرے گا" کے الفاظ کا استعمال اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کسی چیز یا واقعے کا مکمل علم صرف خدا کے پاس ہے۔ یہاں تک کہ خدا کے منتخب کردہ انبیاء، اگرچہ ان کا روحانی نقطہ نظر عام انسانوں کے مقابلے میں بہت وسیع ہوتا ہے، پھر بھی انہیں خدا کی تخلیق کے رازوں کے بارے میں صرف جزوی بصیرت دی جاتی ہے۔

سوتیلے بھائیوں کی دغابازی

جب انہوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی ابا کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ابا صریح غلطی پر ہیں ﴿۸﴾ تو یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آؤ۔ پھر ابا کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد تم اچھی حالت میں ہو جاؤ گے ﴿۹﴾ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو کسی گہرے کنویں میں ڈال دو کہ کوئی راہگیر نکال (کر اور ملک میں) لے جائے گا۔ اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو) ﴿۱۰﴾ (یہ مشورہ کر کے وہ یعقوب سے) کہنے لگے کہ اباجان کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں ﴿۱۱﴾ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے کودے۔ ہم اس کے نگہبان ہیں ﴿۱۲﴾ انہوں نے کہا کہ یہ امر مجھے غمناک کئے دیتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ خوف بھی ہے کہ تم (کھیل میں) اس سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے ﴿۱۳﴾ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، اسے بھیڑیا کھا گیا تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے ﴿۱۴﴾ (یوسف،8-14)

فقرہ "توبہ کرنے اور دوبارہ راستباز کی حیثیت سے جینے کے لیے آزاد" حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی اخلاقیات کے بٹے ہوئے احساس کی عکاسی کرتا ہے۔ لفظ "جُب" کا اطلاق زمین یا چٹان سے کٹے ہوئے صحرائی کنویں پر ہوتا ہے جو پتھر سے ڈھکا ہوا نہ ہو۔ اس کنویں میں اتنا پانی نہیں تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ڈبو سکے بلکہ اتنا گہرا تھا کہ انہیں نظروں سے چھپا سکتا تھا، لیکن کوئی قافلہ انہیں دور دراز ملک میں لے گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنا

غرض جب وہ اس کو لے گئے اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو گہرے کنویں میں ڈال دیں۔ تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) تم ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہوگی ﴿۱۵﴾ (نیچے آیات 89 تا 90 دیکھیں) (یہ حرکت کر کے) وہ رات کے وقت باپ کے پاس روتے ہوئے آئے ﴿۱۶﴾ (اور) کہنے لگے کہ اباجان ہم تو دوڑنے اور ایک دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔ اور آپ ہماری بات کو گو ہم سچ ہی کہتے ہوں باور نہیں کریں گے ﴿۱۷﴾ اور ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا لہو بھی لگا لائے۔ یعقوب نے کہا (کہ حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو۔ اچھا صبر (کہ وہی) خوب (ہے) اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں خدا ہی سے مدد مطلوب ہے ﴿۱۸﴾ (یوسف،15-18)

حضرت یعقوبؑ نے بھیڑیے کی کہانی پر یقین نہیں کیا، لیکن اپنے بیٹوں کے حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد کے بارے میں سوچ کر، حضرت یعقوبؑ کو احساس ہوا کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس کے باوجود، جیسا کہ نیچے آیت نمبر 83 میں حضرت یعقوبؑ کے امید کے اظہار سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ، وہ اس بات پر قائل نہیں تھے کہ حضرت یوسف علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر کا سفر

(اب خدا کی شان دیکھو کہ اس کنویں کے قریب) ایک قافلہ آوارد ہوا اور انہوں نے (پانی کے لیے) اپنا سقا بھیجا۔ اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا (تو یوسف اس سے لٹک گئے) وہ بولا زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔ اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے خدا کو سب معلوم تھا ﴿۱۹﴾ اور اس کو تھوڑی سی قیمت (یعنی) معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا۔ اور انہیں ان (کے بارے) میں کچھ لالچ نہ تھا ﴿۲۰﴾

بائبل کے (بابِ پیدائش 37:25) کے مطابق، "اسماعیلیوں" یعنی عربوں کا قافلہ "گلیاد سے اپنے اونٹوں کے ساتھ آیا تھا جن کے پاس مصالحے، بام اور خوشبودار گوند تھی، جو اسے مصر لے کر جا رہے تھے۔ بائبل کے مطابق گلیاد اردن کے مشرق واقع علاقہ کا نام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو العزیز نے گود لے لیا

اور مصر میں جس شخص نے اس کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے (جس کا نام زلیخا تھا) کہا کہ اس کو عزت واکرام سے رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور غرض یہ تھی کہ ہم ان کو (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھائیں اور خدا اپنے کام پر غالب ہے

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۲۱﴾ (یوسف،19-21)

قرآن مجید میں اس شخص کا نام یا مقام کا ذکر نہیں کیا گیا ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گود لیا تھا لیکن بعد میں اس کا حوالہ العزیز ("عظیم یا طاقتور") کے طور پر دیا گیا، جو اس کے ایک اعلیٰ عہدیدار یا رئیس ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

شیطانی فتنہ

اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو دانائی اور علم بخشا۔ اور نیکوکاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۲۲﴾ تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی (یوسف) جلدی آؤ۔ انہوں نے کہا کہ خدا پناہ میں رکھے (وہ یعنی تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے (میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا) بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ﴿۲۳﴾ اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا۔ اگر وہ اپنے پروردگار کی نشانی نہ دیکھتے (تو جو ہوتا ہوتا) یوں اس لیے (کیا گیا) کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے ﴿۲۴﴾ (یوسف،22-24)

حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی کسی انسان کی طرح آزمایا گیا تھا، لیکن انہوں نے زنا کی برائی کا مقابلہ کیا۔ اس عبارت میں نشاندہی کی گئی ہے کہ نیکی کی اخلاقی اہمیت کا انحصار کسی غلط خواہش کے ہوتے ہوئے اپنے نفس پر قابو پانا ہے، غلط خواہش کی عدم موجودگی میں نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے، "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اگر میرا بندہ محض ایک نیک عمل کرنا چاہے تو میں اس خواہش کو نیکی میں شمار کروں گا۔ اور اگر وہ ایسا کرے گا تو میں اس نیکی کو دس گنا گنوں گا۔ اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کرنا چاہے لیکن اس کا ارتکاب نہ کرے تو میں اسے بھی نیکی میں شمار کروں گا۔ یہ دیکھ کر کہ اس نے صرف میری خاطر اس سے اجتناب کیا ہے۔ یعنی اخلاقی لحاظ سے، اسے "خدا کی سچائی کے ثبوت" کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

عصمت دری کا جھوٹا الزام

اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسف اور پیچھے زلیخا) اور عورت نے ان کا کرتا پیچھے سے (پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا تو عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے ﴿۲۵﴾ یوسف نے کہا اسی نے مجھ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا ﴿۲۶﴾ اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے ﴿۲۷﴾ اور جب اس کا کرتا دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹا تھا (تب اس نے زلیخا سے کہا) کہ یہ تمہارا ہی فریب ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے (بھاری) ہوتے ہیں ﴿۲۸﴾ یوسف اس بات کا خیال نہ کر۔ اور (زلیخا) تو اپنے گناہوں کی بخشش مانگ، بے شک خطا تیری ہے ﴿۲۹﴾ (یوسف،25-29)

قمیض کا پیچھے یا سامنے سے پھٹ جانا بائبل کے بیان میں ظاہر نہیں کیا گیا۔ اس شخص نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ وہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرے، اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر معاف کرنے اور بھولنے کے لیے تیار تھا۔ یہاں ایک بار پھر، قرآنی حکایت بائبل میں بتائی گئی کہانی سے مختلف ہے، کیونکہ مؤخر الذکر (بابِ پیدائش 19:39-20) کے مطابق، شوہر نے فوری طور پر جھوٹے الزام پر یقین کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈال دیا۔

شہر کی خواتین کے درمیان گفتگو

اور شہر میں عورتیں گفتگوئیں کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے۔ اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ ہم دیکھتی ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے ﴿۳۰﴾ جب زلیخا نے ان عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدار یوسف کے لیے ایک) چال (تھی) سنی تو ان کے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا اور ان کے لیے ایک محفل مرتب کی۔ اور (پھل تراشنے کے لیے) ہر ایک کو ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا کہ ان کے سامنے باہر آؤ۔ جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر (ایسا) چھا گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ (یہ حسن) یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے ﴿۳۱﴾ (یوسف،30-31)

حضرت یوسف علیہ السلام کو غیر منصفانہ طور پر قید کرنا

تب زلیخانے کہا یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں۔ اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ بچا رہا۔ اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اسے کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا ﴿۳۲﴾ یوسف نے دعا کی کہ پروردگار جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید پسند ہے۔ اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا ﴿۳۳﴾ تو خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا۔ بے شک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾ پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصہ کے لیے ان کو قید ہی کر دیں ﴿۳۵﴾ (یوسف، 32-35)

حضرت یوسف علیہ السلام کو اس لیے قید نہیں کیا گیا تھا کہ ان کا آقا انہیں مجرم سمجھتا تھا، بلکہ اس لیے کہ یہ اس کی کمزوری تھی کہ وہ اپنی بیوی کو خوش کرنا چاہتا تھا اور اس کے تابع تھا۔

ساتھی قیدیوں اور بادشاہ کے خواب

اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان ہوئے۔ ایک نے ان میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ شراب (کے لیے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور جانور ان میں سے کھا رہے (ہیں تو) ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجئے کہ ہم تمہیں نیکوکار دیکھتے ہیں (یوسف، 36)

بائبل کے بیان کے مطابق، حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل میں قید دو نوجوان بادشاہ کے ساقی اور نانبائی تھے، جنہیں غیر متعینہ جرائم کی وجہ سے قید کیا گیا تھا۔ چنانچہ، قرآن اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حکمت اور خواب کی تعبیر کے حوالے سے حضرت یوسف علیہ السلام کی شہرت ان کے جیل جانے سے پہلے کی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے ساتھی قیدیوں کو تبلیغ کرنا

یوسف نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت سے انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں ﴿۳۷﴾ اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں۔ ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ﴿۳۸﴾ میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدائے یکتا و غالب؟ ﴿۳۹﴾ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔ (سن رکھو کہ) خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔ اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۴۰﴾ (یوسف، 37-40)

ساتھی قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر

میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک (جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور جانور اس کا سر کھا جائیں گے۔ جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے وہ فیصلہ ہو چکا ہے ﴿۴۱﴾ اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت (یوسف نے) خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا اس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا لیکن شیطان نے ان کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے میں رہے ﴿۴۲﴾ (یوسف، 41-42)

بادشاہ کا خواب

اور بادشاہ نے کہا کہ میں (نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ ﴿۴۳﴾ انہوں نے کہا یہ تو پریشان سے خواب ہیں۔ اور ہمیں ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی ﴿۴۴﴾ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور جسے مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی بول اٹھا کہ میں آپ کو اس کی تعبیر

(کروا کر) بتاتا ہوں مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دے دیجیئے﴿۴۵﴾ (یوسف، 43-45)
ساقی مجلس سے خطاب کرتا ہے، اکیلے بادشاہ سے نہیں، اس لیے "آپ" سے مراد جمع کا صیغہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وضاحت

(غرض وہ یوسف کے پاس آیا اور کہنے لگا) یوسف اے بڑے سچے (یوسف) ہمیں اس خواب کی تعبیر بتایئے کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات خوشے سبز ہیں اور سات سوکھے تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جا (کر تعبیر بتاؤں) ۔ عجب نہیں کہ وہ (تمہاری قدر) جانیں﴿۴۶﴾ انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے تو جو (غلّہ) کاٹو تو تھوڑے سے غلّے کے سوا جو کھانے میں آئے اسے خوشوں میں ہی رہنے دینا﴿۴۷﴾ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت (سال) آئیں گے کہ جو (غلّہ) تم نے جمع کر رکھا ہو گا وہ اس سب کو کھا جائیں گے۔ صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا جو تم احتیاط سے رکھ چھوڑو گے﴿۴۸﴾ پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور لوگ اس میں رس نچوڑیں گے﴿۴۹﴾ (یوسف، 46-49)

اُنہیں "تمام مصیبتوں سے نجات" اور بارش عطا کی جائے گی۔ تاہم مصر کی فصلوں کا انحصار دریائے نیل کے سالانہ سیلاب پر تھا۔ دریا کے پانی کی سطح اس کے اوپری حصے میں ہونے والی بارش کی مقدار پر منحصر تھی۔

تمام خواتین کی طرف سے جرم کا اعتراف کرنا

(یہ تعبیر سن کر) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ۔ جب قاصد ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بے شک میرا پروردگار ان کے مکروں سے خوب واقف ہے﴿۵۰﴾ بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا کہ بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ سب بول اٹھیں کہ حاش لِلہ ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ عزیز کی عورت نے کہا اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے۔ (اصل یہ ہے کہ) میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بے شک وہ سچا ہے﴿۵۱﴾ (یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لیے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں خیانت نہیں کی) اور خدا خیانت کرنے والوں کے مکروں کو روبراہ نہیں کرتا﴿۵۲﴾ اور میں اپنے تیئں پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) برائی سکھاتا رہتا ہے۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے گا۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے﴿۵۳﴾ (یوسف، 50-53)

حضرت یوسف علیہ السلام نے آزادی کے موقع سے انکار کر دیا اور درخواست کی کہ بادشاہ اس بات کا تعین کرنے کے لیے تحقیقات کرے کہ آیا وہ بے قصور ہیں یا مجرم۔ حضرت یوسف علیہ السلام، ایک نبی کی حیثیت سے یہ چاہتے تھے کہ، جیل سے رہا ہونے سے پہلے ان کے نام سے الزام کا دھبہ صاف ہو جائے۔ "انسان کا باطن [اسے] برائی کی طرف اکساتا ہے" اور یہ جذبات سے بھرا ہوا ہے، اور یہ اکثر دماغ میں آنے والی نیکی کے تصور سے متصادم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں شامل کمزوری پر حضرت یوسف علیہ السلام کا زور دینا ان کی طرف سے عاجزی کا ایک شاندار اظہار ہے کیونکہ انہوں نے خود اس کمزوری پر قابو پایا، اور جیسا کہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ، انہوں نے اپنی اس اخلاقی فتح کو اپنے آپ سے نہیں بلکہ صرف اور صرف خدا کے فضل و کرم سے منسوب کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی قسمت کا رخ بدلنا

بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا مصاحب خاص بناؤں گا۔ پھر جب ان سے گفتگو کی تو کہا کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو﴿۵۴﴾ (یوسف نے) کہا مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں﴿۵۵﴾ اس طرح ہم نے یوسف کو ملک (مصر) میں جگہ دی اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے﴿۵۷﴾ (یوسف، 54-57)

"ہم نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے" سے مراد بعض اوقات اس دنیا میں بھی اجر دیا جاتا ہے، لیکن آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اجر دیا جائے گا۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اسے ذخیرہ خانوں کی کمان سونپ دے تاکہ آنے والے برسوں کے دوران اناج کے ذخائر کی مؤثر حکمتِ عملی کو یقینی بنایا جا سکے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ آنے والے دنوں میں سات سال کی قلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی درخواست منظور کر لی گئی تھی اور وہ اس کام کو پورا کر سکتے تھے جو انہوں نے اپنے لیے مقرر کیا تھا۔

اپنے بھائیوں سے پہلی ملاقات

اور یوسف کے بھائی (کنعان سے مصر میں غلّہ خریدنے کے لیے) آئے تو یوسف کے پاس گئے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو نہ پہچان سکے (یوسف، 58)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر کے گوداموں سے گندم خریدنے کے لیے مصر آئے، جو حضرت یوسف علیہ السلام نے سات سالوں کے دوران بہت زیادہ جمع کرلی تھی۔ مصر کے آس پاس کے تمام ممالک اب قحط سے متاثر ہو چکے تھے- جس کی انہوں نے پیشین گوئی کی تھی- اور صرف مصر کے پاس زیادہ مقدار میں گندم جمع تھی، جس کی تقسیم وہ ذاتی طور پر کرتے تھے (دیکھیں بابِ پیدائش 41:54-57)۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا، لیکن انہوں نے انہیں نہیں پہچانا۔ انہوں نے گندم کے ساتھ اپنے مال کا تبادلہ کیا — مال کا تبادلہ کرنا اس قدیم زمانے میں تجارت کی سب سے عام شکل تھی۔

اگلی بار بنیامین کو ساتھ لانا

جب یوسف نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آنا تو) جو باپ کی طرف سے تمہارا ایک اور بھائی ہے اسے بھی میرے پاس لیتے آنا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمانداری بھی خوب کرتا ہوں ﴿۵۹﴾ اور اگر تم اسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے غلّہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس ہی آسکو گے ﴿۶۰﴾ انہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے ﴿۶۱﴾ (اور یوسف نے) اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلّے کی قیمت) ان کے شلیتوں میں رکھ دو عجب نہیں کہ جب یہ اپنے اہل وعیال میں جائیں تو اسے پہچان لیں (اور) عجب نہیں کہ پھر یہاں آئیں ﴿۶۲﴾ (یوسف، 59-62)

حضرت یوسف علیہ السلام غیر ملکی خریداروں کو فی کس ایک اونٹ کے برابر غلہ دیا کرتے تھے۔ انہیں ان کا سامان دینے کے بعد، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ وہ اگلی بار اپنے سوتیلے بھائی بنیامین کو ساتھ لے آئیں۔ (بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کا سگا بھائی تھا، جبکہ باقی دس بھائیوں کی مائیں مختلف تھیں)۔ حضرت یعقوبؑ کے بچوں میں سب سے چھوٹے حضرت بنیامینؑ تھے، جو مصر کے پہلے سفر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں گئے تھے، لیکن انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کے دوران غالباً اس کا ذکر کیا تھا۔

بھائیوں کا حضرت بنیامینؑ کو اپنے اگلے سفر میں ساتھ لے جانے کی درخواست کرنا

جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے تو کہنے لگے کہ ابا (جب تک ہم بنیامین کو ساتھ نہ لے جائیں) ہمارے لیے غلّے کی بندش کر دی گئی ہے تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دے تاکہ ہم پھر غلّہ لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں ﴿۶۳﴾ (یعقوب نے) کہا کہ میں اس کے بارے میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا مگر ویسا ہی جیسا اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا۔ سو خدا ہی بہتر نگہبان ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ﴿۶۴﴾ اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو دیکھا کہ ان کا سرمایہ واپس کر دیا گیا ہے۔ کہنے لگے ابا ہمیں (اور) کیا چاہیئے (دیکھیے) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ اب ہم اپنے اہل وعیال کے لیے پھر غلّہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک بار شتر زیادہ لائیں گے (کہ) یہ غلّہ جو ہم لائے ہیں تھوڑا ہے ﴿۶۵﴾ (یعقوب نے) کہا جب تک تم خدا کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس (صحیح سالم) لے آؤ گے میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجنے کا۔ مگر یہ کہ تم گھیر لیے جاؤ (یعنی بے بس ہو جاؤ تو مجبوری ہے) جب انہوں نے ان سے عہد کر لیا تو (یعقوب نے) کہا کہ جو قول وقرار ہم کر رہے ہیں اس کا خدا ضامن ہے ﴿۶۶﴾ (یوسف، 63-62)

شہر کے مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونا

اور ہدایت کی کہ بیٹا ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا۔ اور میں خدا کی تقدیر کو تم سے نہیں روک سکتا۔ بے شک حکم اسی کا ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ اور اہلِ توکل کو اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے ﴿۶۷﴾ اور جب وہ ان ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں جہاں سے (داخل ہونے کے لیے) باپ نے ان سے کہا تھا تو وہ تدبیر خدا کے حکم کو ذرا بھی نہیں ٹال سکتی تھی ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انہوں نے پوری کی تھی۔ اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۶۸﴾ (یوسف، 67-68)

حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کا مشورہ دیا، شاید یہ اس لیے کہا گیا کہ وہ غیر ملکی سرزمین میں غیر ضروری توجہ کا مرکز نہ بنیں اور ممکنہ سازشوں کا شکار نہ ہوں۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں کو یہ مشورہ دیا تو انہوں نے صرف ایک فطری، انسانی طور پر قابل فہم خواہش پر عمل کیا۔ جیسا

کہ انہوں نے علیحدہ علیحدہ داخل ہونے کی طرف اشارہ دیا لیکن، "جو کچھ ہونا ہوتا ہے اس کا فیصلہ خدا کے سوا کسی اور پر منحصر نہیں ہوتا"۔ یہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ انسان صرف خدا پر انحصار کرتا ہے–جو کہ اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے–اور یہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی نصیحت (جو کہ کہانی سے غیر متعلقہ ہے) کا ذکر مذکورہ بالا قرآنی حکایت میں کیوں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں دکھایا گیا ہے کہ، انہیں اور ان کے والد کو ان کی مہم جوئی کے خوشگوار انجام تک پہنچنے سے پہلے شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی تمام بھائیوں کے ساتھ دوسری ملاقات

اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو سلوک یہ (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا(یوسف،69)

اس طرح، بائبل کے بیان کے برعکس، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دس سوتیلے بھائیوں کے سامنے خود کو ظاہر کرنے سے بہت پہلے حضرت بنیامینؑ کے سامنے اپنی شناخت ظاہر کر دی تھی۔ الفاظ "ان کے ماضی کے سلوک" ان کے ساتھ ان کے بھائیوں کے غدارانہ رویے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو غالباً حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت بنیامینؑ کے سامنے ظاہر کیا تھا۔

بنیامین کے تھیلے میں تحفے کے طور پر بادشاہ کا گلاس

جب ان کا اسباب تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے شلیتے میں گلاس رکھ دیا اور پھر (جب وہ آبادی سے باہر نکل گئے تو) ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ قافلے والو تم تو چور ہو﴿۷۰﴾ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تمہاری کیا چیز کھوئی گئی ہے﴿۷۱﴾ وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا گلاس کھویا گیا ہے اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لیے ایک بار شتر (انعام) اور میں اس کا ضامن ہوں﴿۷۲﴾ وہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس) ملک میں اس لیے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چوری کیا کرتے ہیں﴿۷۳﴾ بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے (یعنی چوری ثابت ہوئی) تو اس کی سزا کیا ﴿۷۴﴾ انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے شلیتے میں وہ دستیاب ہو وہی اس کا بدل قرار دیا جائے ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں ﴿۷۵﴾ (یوسف،70-75)

حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہی گلاس اپنے پسندیدہ بھائی کے تھیلے میں بطور تحفہ رکھا تھا۔ انہوں نے یہ کام خفیہ طور پر اپنے نوکروں کو بتائے بغیر کیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو، کم از کم ان کے دس سوتیلے بھائیوں میں سے کسی کو، حضرت بنیامینؑ کے لیے ان کی رغبت کے بارے میں پتا چلے۔ جب حضرت یوسفؑ کے نوکروں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کا پینے کا پیالہ غائب ہے تو انہیں یاد آیا کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں کے علاوہ کوئی ان کے قریب نہیں تھا، اور ان کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسے اٹھایا ہے۔ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ انہوں نے یہ الزام حضرت یوسفؑ کے حکم پر لگایا تھا۔

حضرت بنیامینؑ کے قبضے سے گلاس کی دریافت

پھر یوسف نے اپنے بھائی کے شلیتے سے پہلے ان کے شلیتوں کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے شلیتے میں سے اس کو نکال لیا۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیتِ خدا کے سوا اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے۔ ہم جس کے لیے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے﴿۷۶﴾ (برادران یوسف نے) کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہو تو (کچھ عجب نہیں کہ) اس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور ان پر ظاہر نہ ہونے دیا (اور) کہا کہ تم بڑے بدقماش ہو۔ اور جو تم بیان کرتے ہو خدا اسے خوب جانتا ہے ﴿۷۷﴾(یوسف،76-77)

"اس کے بھائی" سے مراد حضرت بنیامینؑ کے سگے بھائی، حضرت یوسفؑ ہیں۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ حضرت یوسفؑ کے سامنے کھڑے تھے، ان کے بھائیوں نے حضرت بنیامینؑ سے مؤثر طریقے سے اپنے آپ کو الگ کرنے کے لیے ان کی توہین کرنا چاہی، جو اب چوری کے الزام میں سزا یافتہ نظر آرہے تھے۔ حضرت یوسفؑ نے کہا، تم لوگ اس سے بھی بدتر تھے جب تم نے یوسفؑ کو اس کے باپ سے چرایا تھا۔

مصر میں بنیامین کی قید

حضرت یوسفؑ نے بنیامین کو اپنے ساتھ رکھنا چاہا۔ مصر کے قانون کے تحت، وہ اپنے سوتیلے بھائیوں کی رضامندی کے بغیر ایسا نہیں کر سکتے تھے، جو اپنے نابالغ بھائی کے قانونی طور پر سرپرست تھے۔ وہ اپنے والد سے کیے گئے پختہ عہد کے پابند تھے۔ مؤخر الذکر وہ واقعی بنیامین کو پیچھے چھوڑ جانے پر راضی نہیں ہوں گے۔ حضرت یوسفؑ کے لیے ایک ہی متبادل راستہ تھا کہ وہ اپنی شناخت ان کے سامنے ظاہر کر دیں، لیکن جیسا کہ وہ ابھی ایسا کرنے کے لیے مکمل تیار نہیں تھے، اس لیے وہ بنیامین کو اپنے بھائیوں کے ساتھ جانے کی اجازت دینے کے پابند تھے۔

حضرت یوسفؑ کے ذریعہ تحفہ کی دریافت (اوپر آیت نمبر 70 دیکھیں) نے سب کچھ بدل دیا۔ اب، بنیامین چوری کا مجرم تھا، اور مصر کے قانون کے مطابق حضرت یوسفؑ انہیں اپنے غلام قرار دینے کا حق رکھتے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس معاملے میں ہاتھ کاٹنے کا قانون لاگو نہیں کیا گیا تھا اور اس کی بجائے قید کی سزا سنائی گئی تھی۔ بنیامین کے ہاتھ کاٹنا ایک سنگین ناانصافی ہوتی کیونکہ وہ چوری کا مجرم نہیں تھا۔

گلاس کا واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس واقعہ کے نتائج کی نہ تو منصوبہ بندی کی گئی تھی اور نہ ہی حضرت یوسفؑ کو اس کے نتائج کا اندازہ تھا۔ اس کہانی کا مطلب اب واضح ہے۔ یہ اس بنیادی نظریے کی مزید وضاحت کرتا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے اس کا فیصلہ خدا کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ہے۔

بنیامین کے ساتھ سب سے بڑے بھائی کا رضاکارانہ طور پر قیام

وہ کہنے لگے کہ اے عزیز اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے بہت محبت رکھتے ہیں) تو (اس کو چھوڑ دیجیے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجیئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں ﴿۷۸﴾ (یوسف نے) کہا کہ خدا پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں ایسا کریں تو ہم (بڑے) بے انصاف ہیں ﴿۷۹﴾ جب وہ اس سے ناامید ہوگئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے۔ سب سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے خدا کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں میں تو اس جگہ سے ہلنے کا نہیں یا خدا میرے لیے کوئی اور تدبیر کرے۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۸۰﴾ تم سب والد صاحب کے پاس واپس جاؤ اور کہو کہ ابا آپ کے صاحبزادے نے (وہاں جا کر) چوری کی۔ اور ہم نے اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کے لے آنے کا) عہد کیا تھا مگر ہم غیب کی باتوں کو جاننے اور یاد رکھنے والے تو نہیں تھے ﴿۸۱﴾ اور جس بستی میں ہم (ٹھہرے) تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر سے) اور جس قافلے میں آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجیئے اور ہم اس بیان میں بالکل سچے ہیں ﴿۸۲﴾ (یوسف، 78-82)

باپ کا غم اور امید

(جب انہوں نے یہ بات یعقوب سے آکر کہی تو) انہوں نے کہا کہ (حقیقت یوں نہیں ہے) بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنالی ہے تو صبر ہی بہتر ہے۔ عجب نہیں کہ خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ بے شک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے ﴿۸۳﴾ پھر ان کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف (ہائے افسوس) اور رنج والم میں (اس قدر روئے کہ) ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں اور ان کا دل غم سے بھر رہا تھا ﴿۸۴﴾ (یوسف، 83-84)
بیٹے کہنے لگے کہ واللہ اگر آپ یوسف کو اسی طرح یاد ہی کرتے رہیں گے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دے دیں گے ﴿۸۵﴾ انہوں نے کہا کہ میں اپنے غم واندوہ کا اظہار خدا سے کرتا ہوں۔ اور خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿۸۶﴾ بیٹا (یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ کہ خدا کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں ﴿۸۷﴾ (یوسف، 85-87)

حضرت یعقوبؑ نے اپنے تین بیٹوں، بنیامین، اور سب سے بڑا بیٹا (جو مصر میں ٹھہر گیا تھا) اور حضرت یوسف علیہ السلام کو کھو دیا، حضرت یوسف علیہ السلام کی مبینہ موت کا حضرت یعقوبؑ کبھی بھی پوری طرح سے قائل نہیں تھے (اوپر کے بیان میں دیکھیں)۔ حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں ان میں بھرے ہوئے آنسوؤں سے نم ہو گئیں۔ اگرچہ حضرت یعقوبؑ اب اپنے تین بیٹوں سے محروم ہو گئے تھے، لیکن حضرت یوسفؑ کے لیے ان کا غم سب سے زیادہ تکلیف دہ تھا، کیونکہ حضرت یعقوبؑ نہیں جانتے تھے کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔

"جس چیز کا تم نہیں جانتے" یعنی "جو کچھ ہونے والا ہے اس کا فیصلہ اللہ کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ہے" اور "جو لوگ [اس کے وجود پر] بھروسہ رکھتے ہیں وہ صرف اسی پر بھروسہ رکھیں" (آیت نمبر 67)۔ حضرت یعقوبؑ اب اپنے بیٹوں پر یہ تاثر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں؛ یہ دو خیالات پوری سورت کا نچوڑ ہیں۔

اس کے علاوہ، حضرت یوسف علیہ السلام کے نبوت کا خواب (آیت نمبر 4) انہیں یاد تھا اور اس وقت ان کا یقین تھا کہ خدا اپنے خاص فضل کے لئے ان کے

پیارے بیٹے کو منتخب کرے گا(آیت 6)۔اس بات نے حضرت یعقوبؑ کو نئی امید دی کہ حضرت یوسفؑ ابھی تک زندہ ہیں — اور یہ ان ہدایات کی وضاحت کرتا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹوں کو مندرجہ بالا جملے میں دیں۔

بھائیوں کے ساتھ تیسری ملاقات

جب وہ یوسف کے پاس گئے تو کہنے لگے کہ عزیز ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلّہ دے دیجیئے اور خیرات کیجیئے۔ کہ خدا خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے ﴿۸۸﴾ (یوسف نے) کہا تمہیں معلوم ہے جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا ﴿۸۹﴾ وہ بولے کیا تم ہی یوسف ہو؟ انہوں نے کہاہاں میں ہی یوسف ہوں۔ اور (بنیامین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے) یہ میرا بھائی ہے خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو خدا نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿۹۰﴾ (یوسف، 88-90)

"تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا"— اپنا نام بنیامین کے ساتھ جوڑ کر انہوں نے ممکنہ طور پر اپنے بھائیوں کی ابتدائی حسد اور راحیل کے دونوں بیٹوں سے نفرت کی طرف اشارہ کیا۔ اس بیان کے متبادل کے طور پر، بنیامین کا ذکر اس انداز کی وجہ سے ہو سکتا ہے جس انداز کے ساتھ انہوں نے مؤخر الذکر بنیامین کے جرم کے ثبوت کو قبول کیا تھا(آیت 77)۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے تمام خاندان کو مصر مدعو کرنا

وہ بولے خدا کی قسم خدا نے تم کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بے شک ہم خطاکار تھے ﴿۹۱﴾ (یوسف نے) کہا کہ آج کے دن سے تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں ہے۔ خدا تم کو معاف کرے۔ اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے ﴿۹۲﴾ یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو۔ وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ ﴿۹۳﴾ (یوسف، 91-93)

یہ جان کر کہ میں زندہ ہوں میرے والد میرے لیے رونا بند کر دیں گے، اور غمی اور مسلسل رونے کی وجہ سے ان کی نظر کی دھندلاہٹ ختم ہو جائے گی۔

توبہ اور بخشش

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف کی بو آ رہی ہے ﴿۹۴﴾ وہ بولے کہ واللہ آپ اسی قدیم غلطی میں (مبتلا) ہیں ﴿۹۵﴾ جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا تو کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿۹۶﴾ بیٹوں نے کہا کہ ابا ہمارے لیے ہمارے گناہ کی مغفرت مانگیئے۔ بے شک ہم خطاکار تھے ﴿۹۷﴾ انہوں نے کہا کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۹۸﴾ (یوسف، 94-98)

حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے والدین کے ساتھ دوبارہ ملنا

جب یہ (سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا مصر میں داخل ہو جایئے خدا نے چاہا تو جمع خاطر سے رہیئے گا ﴿۹۹﴾ اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسفؑ کے آگے سجدہ میں گر پڑے اور (اس وقت) یوسف نے کہا ابا جان یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا اور اس نے مجھ پر (بہت سے) احسان کئے ہیں کہ مجھ کو جیل خانے سے نکالا۔ اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا۔ آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے ﴿۱۰۰﴾ (یوسف، 99-100)

بائبل کے بیان کے مطابق، حضرت یوسف علیہ السلام کی ماں، راحیل، بنیامیؔن کو جنم دیتے وقت انتقال کر گئیں تھیں۔ لہٰذا ہم فرض کر سکتے ہیں کہ "والدین" کی اصطلاح میں "ماں" کا مطلب حضرت یعقوبؑ کی دوسری بیوی تھی، جنہوں نے حضرت یوسفؑ اور بنیامیؔن کی پرورش کی تھی؛ یہ بات قدیم عرب رسم سے ہم آہنگ ہے جس میں ایک رضاعی ماں کو "ماں" کا لقب دیا جاتا تھا۔ ان الفاظ ("تخت پر") کو استعاراتی معنوں میں عزت کے سب سے اونچے مقام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ان الفاظ "اس کے سامنے" میں اسمِ ضمیر کا تعلق خدا سے ہے کیونکہ یہ ناقابل فہم بات ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین کو اپنے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دی ہو گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے اصل خواب کی تعبیر

اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسفؑ کے آگے سجدہ میں گر پڑے اور (اس وقت) یوسف نے کہا اباجان یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا اور اس نے مجھ پر (بہت سے) احسان کئے ہیں کہ مجھ کو جیل خانے سے نکالا۔ اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا۔ آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔ بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے (یوسف،100)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا

(جب یہ سب باتیں ہولیں تو یوسف نے خدا سے دعا کی کہ) اے میرے پروردگار تو نے مجھ کو حکومت سے بہرہ دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھائیو اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کیجیؤ (یوسف،101)

حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن کے خواب کی تکمیل اس عالی شان وقار پر مشتمل تھی جس کیلئے اب وہ سرمایہ کاری کر رہے تھے۔ ان کے والدین اور بھائی ان کی خاطر کنعان سے مصر ہجرت کر گئے تھے۔ کوئی بھی شخص کسی ایسے خواب کی تکمیل کی توقع نہیں کر سکتا جس میں اس کی خود کی نقل ہو رہی ہو (جیسا کہ اس سورت کی آیت نمبر 4 میں مذکور گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کے علامتی سجدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے)۔ ان الفاظ "میرا پالنے والا نا قابلِ فہم ہے" کا تذکرہ اس موضوع کو مزید واضح کرتا ہے کہ جو کچھ ہونا ہے اس کا فیصلہ خدا کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں نہیں ہے، اور یہ کہ مطلق طاقت اور غلبہ صرف خدا کے پاس ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی کے اخلاقی مضمرات

(اے پیغمبر) یہ اخبار غیب میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور جب برادران یوسف نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم ان کے پاس تو نہ تھے ﴿۱۰۲﴾ اور بہت سے آدمی گو تم (کتنی ہی) خواہش کرو ایمان لانے والے نہیں ہیں ﴿۱۰۳﴾ اور تم ان سے اس (خیر خواہی) کا کچھ صلا بھی تو نہیں مانگتے۔ یہ قرآن اور کچھ نہیں تمام عالم کے لیے نصیحت ہے ﴿۱۰۴﴾ اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔ مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں ﴿۱۰۶﴾ کیا یہ اس (بات) سے بے خوف ہیں کہ ان پر خدا کا عذاب نازل ہو کر ان کو ڈھانپ لے یا ان پر ناگہاں قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو ﴿۱۰۷﴾ (یوسف،102-107)

کنعان میں شدید خشک سالی کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹے حضرت یوسفؑ کے ساتھ مصر چلے گئے۔ سترہ سال بعد حضرت یعقوبؑ کی وہاں موت کے بعد، حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کی میت کو کنعان لے گئے اور انہیں اسی جگہ پر وقار کے ساتھ دفن کیا جہاں حضرت ابراہیمؑ، حضرت سارہؑ اور حضرت اسحاقؑ کو دفن کیا گیا تھا۔

حتمی تبصرہ

جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کی کہانی بنیادی طور پر، بائبل کے ورژن (بابِ پیدائش 37 اور 39-46) سے مطابقت رکھتی ہے لیکن مکمل طور پر مطابقت نہیں رکھتی۔ جو چیز اس کہانی کے قرآنی نسخہ کو زیادہ گہرے معنوں میں ممتاز کرتی ہے وہ اس کی روحانی تاثیر ہے۔ بائبل میں، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی کو اس حسد کے رومانوی بیان کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس میں ان کی نوجوان معصومیت بے نقاب ہوتی ہے، اس کے بعد اس کے نقصانات کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں اپنے بھائیوں پر ان کی دنیاوی فتح کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

قرآن بنیادی طور پر اسے انسانوں کے معاملات کے بارے میں خدا کی ناقابل فہم سمت کی ایک مثال کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، قرآن کا ایک بیان ہے کہ، "ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا سمجھتے ہو اور وہ تمہارے لیے اچھی ہو، اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز سے محبت کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے بری ہو: اور اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے" (2:216)۔ اس سورت کو اس موضوع پر تغیرات کے ایک سلسلے کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے کہ "جو کچھ ہونا ہے اس کا فیصلہ خدا کے سوا کسی اور پر منحصر نہیں ہے،" صرف آیت 67 میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی پوری کہانی میں یہ ایک غیر بیان شدہ

خاص موضوع کے طور پر بتایا گیا ہے۔

10

حضرت موسیٰؑ علیہ السلام

مصر میں عبرانیوں کی ابتداء

حضرت یوسفؑ کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت ڈالی تھی اور مصر میں اس میں نمایاں اضافہ ہوا۔ پھر مصر میں ایک نیا بادشاہ پیدا ہوا اور اس نے کہا کہ بنی اسرائیل کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مصریوں کو ڈر تھا کہ یہودی غیر ملکی حملہ آوروں کے ساتھ مشترکہ مقصد تشکیل دے سکتے ہیں (بابِ خروج 1:10)۔ انہیں پہلے اجنبی ہیکسوس خاندان یاد آیا جس نے مصر پر حملہ کیا تھا اور بعد میں عبرانیوں کے ساتھ اتحاد کیا تھا۔ اس خطرے سے خود کو بچانے کے لیے، انہوں نے فیصلہ کیا کہ ہر مرد عبرانی بچے کو قتل کر دیا جائے، جیسا کہ قرآن مجید اور بائبل میں مذکور ہے۔ تاریخی طور پر، یہودیوں کے خلاف گہرے تعصب کی جڑیں ان کی نسل، ثقافت اور مذہب کی وجہ سے تھیں۔ عبرانی پیغمبر، استاد، رہنماء، قانون ساز، اور جنگجو، موشے، یا حضرت موسیٰؑ نے اپنے لوگوں کو مصر کی غلامی سے نجات دلائی۔

فرعون کون تھا؟

"فرعون" کا لقب کوئی باقاعدہ نام نہیں ہے، بلکہ یہ قدیم مصر کے تمام بادشاہوں کا لقب تھا۔ کچھ مصری ماہرین کا خیال ہے کہ قرآن اور بائبل کا "برافرعون (تقریباً 1324-1258 قبل مسیح میں)" رامسیس دوئم تھا، جبکہ دوسرے لوگ اسے اپنے بدقسمت پیشرو، توتن خامین، یا یہاں تک کہ تھوتمس (یا تھوٹموسس) سوئم کے نام سے شناخت کرتے ہیں، جو پندرہویں صدی قبل مسیح میں رہتا تھا، تاہم، یہ "شناختیں" خالص طور پر قیاس آرائیاں ہیں اور ان کی کوئی حتمی تاریخی اہمیت نہیں ہے۔ قدیم مصری بہت سے دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے، اور ہر فرعون کو خدائی اصول کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔ اس نے دعویٰ کیا کہ وہ رب ہے اور دیوتاؤں سے منسوب تمام صفات کو اپنے اندر یکجا کر کے اس نے اپنے لوگوں سے اپنی پرستش کروائی۔

ہامان کون تھا؟

ہامان فرعون کا سب سے بڑا مشیر تھا، جو (کتاب ایسٹر 3) میں بتائے گئے پرانے عہد نامے کے فارسی ہامان سے الگ نہیں تھا۔ جس طرح فرعون بادشاہوں کا لقب تھا، اسی طرح لفظ "ہامان" مصر کے سب سے بڑے پادری کا لقب تھا۔ ہامان ہا-امین کی عربی زبان کی بازگشت ہے، جو مصری دیوتا آمون کے ہر اعلیٰ پادری کو دیا جانے والا ایک مجموعی لقب ہے۔ آمون کا فرقہ مصر میں سب سے اہم تھا؛ اس کے اعلیٰ پادری کو حکمران فرعون کے بعد دوسرا درجہ حاصل تھا۔ اس مفروضے کے مطابق قرآن مجید میں جس شخص کو ہامان کہا گیا ہے وہ درحقیقت آمون کے فرقے کا سب سے بڑا پادری تھا، فرعون کے اس مطالبے سے اس بات کو تقویت ملتی ہے (جس کا ذکر آیت 20:38 اور 37- 40:36 میں کیا گیا ہے) کہ ہامان فرعون کے لیے "ایک بلند مینار" کھڑا کرتا ہے جس سے وہ "موسیٰؑ کے خُدا کی ایک جھلک دیکھ سکے یا ان تک پہنچ سکے"۔ یہ پادری کے مقصد کے طور پر بنائے جانے والے عظیم اہرامِ مصر اور چیف معمار کے طور پر ان کو بنانے والے اعلیٰ پادری کے کام کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

قرآن میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر

قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کا ذکر سب سے زیادہ کثرت سے ہوا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کی زندگی کا تذکرہ پچیس ابواب میں ہے اور قرآن مجید میں ان کا نام 136 مرتبہ آیا ہے۔ تاہم، قرآن ہمیں متواتر روایت نہیں دیتا، کیونکہ تاریخی روایات کو بیان کرنا اس کا مقصد نہیں ہے۔ جب بھی قرآن ماضی کے واقعات کا حوالہ دیتا ہے- چاہے وہ بائبل میں درج ہوں یا عربی روایت میں زندہ ہوں - یہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ اخلاقی تعلیمات سے متعلقہ عناصر کو سامنے لایا جائے اور اس

طرح کی کہانی بیان کرنے کے لیے نہیں۔ اس سے پورے قرآن مجید میں بیان کردہ حوالہ جات اور اشاروں کے مختصر کردار کی وضاحت ہوتی ہے۔ قرآن ہمیشہ کہانیوں، افسانوں اور تاریخی واقعات کی آزادانہ وضاحت کرتا ہے اور کبھی بھی کسی وضاحت کے لئے بائبل کا حوالہ نہیں دیتا ہے۔

میں نے قرآنی نقطہ نظر سے حضرت موسیٰؑ کی کہانی کا ایک مربوط ورژن پیش کرنے کے لیے آیات کو اکٹھا کیا ہے۔ ان آیات میں سے کچھ میں، اللہ تعالیٰ براہِ راست حضرت موسیٰؑ سے بات کرتے ہیں، لیکن زیادہ تر عام طریقے سے بات کرتے ہیں۔

مکی اور مدنی سورتوں کے حوالہ جات

قرآن مجید میں بار بار فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی نجات کی داستان کے بارے میں بتانے کی وجہ یہ تھی کہ مکہ میں مسلمانوں کو دبایا گیا تھا اور وراثت سے محروم کر دیا گیا تھا اور وہ اپنے مخصوص توحید پرست عقائد کی وجہ سے ایک کافر معاشرے میں جدوجہد کر رہے تھے۔ ان کی حالت ان سے پہلے بنی اسرائیل سے ملتی جلتی تھی (28:4-5) اور کس طرح مومنوں کے ایک چھوٹے گروہ نے ایک عظیم جنگجو نبی موسیٰؑ کی قیادت میں فرعون کو شکست دی، جو اس وقت کا سب سے طاقتور آدمی تھا۔ اس سے مکی دور کی سورتوں میں حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کی جدوجہد کے بارے میں بہت سے حوالہ جات ملتے ہیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ ان کی زندگی کے خالصتاً انسانی پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے یعنی وہ محرکات، الجھنیں اور غلطیاں جو انسان ہونے کے ناطے اس کا حصہ ہیں۔ قرآن اس طرح کے مسائل پر زور دیتا ہے تاکہ خدا کے رسولوں کو غیر انسانی یا نیم الٰہی صفات سے منسوب کرنے کے کسی بھی ممکنہ رجحان کا مقابلہ کیا جا سکے۔

اسلام کے غیر دوستانہ اور متعصب ناقدین اکثر قرآن مجید کو یہودی مخالف قرار دیتے ہیں کیونکہ قرآن مجید بعض یہودی طریقوں پر تنقید کرتا ہے۔ تاہم، قرآن مجید نے عربوں کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے ان کی سخت مذمت کی ہے۔ ان ناقدین کو قرآن میں بیان کردہ حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کی یہودیت سے متعلقہ کہانی کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔

(I) فرعون کے گناہ

بنی اسرائیل کے بیٹوں کو ذبح کرنا اور ذات پات کا نظام قائم کرنا

یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں ﴿۲﴾ (اے محمد ﷺ) ہم تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو سنانے کے لئے صحیح صحیح سناتے ہیں ﴿۳﴾ کہ فرعون نے ملک میں سر اُٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اُن میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا۔ بیشک وہ مفسدوں میں تھا ﴿۴﴾ (القصص، 2-4)

اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو قومِ فرعون سے نجات بخشی وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی (البقرہ، 49)

"لوگوں کو ذات پات میں تقسیم کیا گیا" سے مراد لوگوں کو اعلیٰ ذات اور ادنی ذات میں تقسیم کیا گیا، جیسا کہ آج ہم ہندو معاشروں میں دیکھتے ہیں: ایک ایسی تقسیم جس کی قرآن مذمت کرتا ہے۔ فرعون کا گروہ جس گروہ کو "کم تر" سمجھتا تھا وہ بنی اسرائیل تھے، جنہیں مصری سماجی پیمانے پر سب سے نچلے درجے پر رکھا گیا تھا اور تقریباً تمام انسانی حقوق سے محروم رکھا گیا تھا۔

توحید کے پیش رو بنی اسرائیل

اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے گئے ہیں اُن پر احسان کریں اور اُن کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں ﴿۵﴾ اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر کو وہ چیزیں دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے ﴿۶﴾ (القصص، 5-6)

یہودی سب سے پہلے لوگ تھے جنہوں نے ایک توحیدی عقیدہ کو ایک واضح، غیر برابر شکل میں قبول کیا اور اس طرح عیسائیت اور اسلام دونوں کے پیش رو بن گئے۔ یہودی منتخب کردہ لوگ اس لیے ہیں کیونکہ وہ توحید کو قبول کرنے والے سب سے پہلے لوگ تھے، اس لئے نہیں کہ وہ ابراہیم کی اولاد میں سے تھے۔ یہودیوں کا شمار توحید کو ماننے والے بزرگوں میں ہوتا ہے۔

انہوں نے ایک خدا کی عبادت کو عربوں سے ایک ہزار سال پہلے قبول کیا تھا۔ عرب ابھی تک حضرت محمد ﷺ کے متعارف کردہ توحید پرست عقیدہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

اللہ تعالیٰ کا شیر خوار موسیٰؑ کو بچانا

اور ہم نے موسیٰؑ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ جب تم کو اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ رنج کرنا۔ ہم اس کو تمہارے پاس واپس پہنچادیں گے اور (پھر) اُسے پیغمبر بنادیں گے (القصص، 7)

اور ہم نے تم پر ایک بار اور بھی احسان کیا تھا ﴿۳۷﴾ جب ہم نے تمہاری والدہ کو الہام کیا تھا جو تمہیں بتایا جاتا ہے ﴿۳۸﴾ (وہ یہ تھا) کہ اسے (یعنی موسیٰؑ کو) صندوق میں رکھو پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا (اور) میرا اور اس کا دشمن اسے اٹھا لے گا۔ اور (موسیٰؑ) میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی ہے (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ ﴿۳۹﴾ (طٰہٰ، 37-39)

اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اُسے دور سے دیکھتی رہی اور ان (لوگوں) کو کچھ خبر نہ تھی (القصص، 11)

بائبل کی روایت کے مطابق، حضرت موسیٰؑ کے والدین، امرام اور جوکیبد نے حضرت موسیٰؑ کو تین مہینے تک چھپا کر رکھا اور پھر انہیں دریائے نیل کے کنارے ایک سرکنڈے کی ٹوکری میں رکھ کر تیرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ حضرت موسیٰؑ کی بہن دور سے یہ دیکھنے کے لیے کھڑی تھیں کہ کیا ہو گا۔ جلد ہی، فرعون کی بیوی دریا میں نہانے کے لیے آئی، اور اس نے سرکنڈوں کے درمیان ٹوکری دیکھی، اپنی لونڈی کو اسے لانے کے لیے بھیجا، اسے کھولا اور بچے کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ عبرانیوں کے بچوں میں سے ایک ہے۔

فرعون کو اس کے حد سے زیادہ تکبر اور ظلم کی وجہ سے خدا کا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ اس نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ چونکہ وہ یہودیوں سے نفرت کرتا تھا اور ڈرتا تھا، اس لیے فرعون نادانستہ طور پر شیر خوار موسیٰؑ کا دشمن تھا۔

"میری آنکھوں کے نیچے" سے مراد خدا نے اپنی حفاظت آپ کے مقدر میں لکھ دی تھی ۔ یہ شاہی محل کے ثقافتی ماحول میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش اور اس کے نتیجے میں مصر کی قدیم حکمت کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔ تاکہ حضرت موسیٰؑ کو ان کی مستقبل کی قیادت اور اس منفرد مشن کے قابل بنایا جا سکے جو خدا نے ان کے لیے پیش نظر رکھا تھا۔

فرعون کی بیوی کا حضرت موسیٰؑ کو گود لینا

تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اُٹھا لیا اس لئے کہ (نتیجہ یہ ہونا تھا کہ) وہ اُن کا دشمن اور (ان کے لئے موجب) غم ہو۔ بیشک فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر چوک گئے ﴿۸﴾ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ) میری اور تمہاری (دونوں کی) آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا۔ شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اُسے بیٹا بنالیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے ﴿۹﴾ (القصص، 8-9)

شیر خوار موسیٰؑ کا اپنی ماں کے پاس واپس جانا

اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا اگر ہم اُن کے دل مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس (قصّے) کو ظاہر کر دیں۔ غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں ﴿۱۰﴾ اور ہم نے پہلے ہی سے اس پر (دائیوں) کے دودھ حرام کر دیئے تھے۔ تو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر خواہی (سے پرورش) کریں ﴿۱۲﴾ تو ہم نے (اس طریق سے) اُن کو ان کی ماں کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کریں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے لیکن یہ اکثر نہیں جانتے ﴿۱۳﴾ (القصص، 12،10-13)

جب تمہاری بہن (فرعون کے ہاں) گئی اور کہنے لگی کہ میں تمہیں ایسا شخص بتاؤں جو اس کو پالے۔ تو (اس طریق سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کریں۔ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تو ہم نے تم کو غم سے مخلصی دی اور ہم نے تمہاری (کئی بار) آزمائش کی۔ پھر تم کئی سال اہل مدین میں ٹھہرے رہے۔ پھر اے موسیٰؑ تم (قابلیت رسالت کے) اندازے پر آ پہنچے (طٰہٰ، 40)

موسیٰؑ کی بہن نے فرعون کی بیوی سے ملاقات کی اور تجویز پیش کی کہ وہ ایک ایسے خاندان کو جانتی ہے جو شیر خوار موسیٰؑ کی پرورش کر سکتا ہے، اور اس طرح، وہ اپنی ماں کی دیکھ بھال پانے کے لیے واپس اپنی ماں کے پاس چلے گئے، جس نے ان کی پرورش کی۔ فرعون کی بیوی نے بچے کی ماں کو بچے کی پرورش کے لیے رقم بھی ادا کی۔ وہ بچہ فرعون کی بیوی کا بیٹا بنا اور اس نے اس کا نام موسیٰؑ رکھا۔ اس طرح ان کی پرورش مصر کے دربار میں ہوئی۔

فرعون کی بیوی واقعی متقی تھی

اور مومنوں کے لئے (ایک) مثال (تو) فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ اس نے خدا سے التجا کی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال (زشت مآل) سے نجات بخش اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھ کو مخلصی عطا فرما (التحریم، 11)

یہ بیان فرعون کی بیوی کو خدا پر ایمان لانے اور خدا کے عظیم پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر حضرت موسیٰؑ کو بچانے کے بدلے جنت عطا کرنے کا اظہار کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت موسیٰؑ بالغ تھے اور انہوں نے ایک مصری کو قتل کر دیا۔

(II) مصری کا قتل اور حضرت موسیٰؑ کا مدین فرار ہونا

اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے تھے ایک تو موسیٰ کی قوم کا ہے اور دوسرا اُن کے دشمنوں میں سے تو جو شخص اُن کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا مدد طلب کی تو اُنہوں نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا کہنے لگے کہ یہ کام تو (اغوائے) شیطان سے ہوا بیشک وہ (انسان کا) دشمن اور صریح بہکانے والا ہے ﴿۱۵﴾ بولے کہ اے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے تو خدا نے اُن کو بخش دیا۔ بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے ﴿۱۶﴾ کہنے لگے کہ اے پروردگار تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے میں (آئندہ) کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ بنوں ﴿۱۷﴾ (القصص، 15-17)

اس بیان "میں گنہگار لوگوں کی کبھی مدد نہیں کروں گا" کے اخلاقی معنوں میں یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰؑ نے سچائی کا انکار کرنے والے گنہگار انسان کی مدد کی تھی۔ مندرجہ بالا پیراگراف سے پتہ چلتا ہے کہ مصری نہیں بلکہ بنی اسرائیل کا بندہ غلطی پر تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی جانب سے بنی اسرائیل کے بندے کی مدد فطری طور پر قبیلہ کی بنیاد پر تھی اور اس معاملے میں صحیح اور غلط کی پروا نہیں کی گئی تھی۔ اس کے فوراً بعد انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے نہ صرف نادانستہ طور پر ایک بے گناہ شخص کو قتل کیا ہے بلکہ محض قبائلی تعصب کی بنیاد اپنا یہ عمل انجام دے کر ایک سنگین گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ موسیٰؑ علیہ السلام کی کہانی کے مذکورہ بالا قرآنی حصے کا خلاصہ ہے۔ اس کہانی کے اخلاقی سبق پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مواقع پر زور دیا ہے اور اس کی وضاحت بھی کی ہے، جس میں ان کا یہ مشہور قول بھی شامل ہے۔ "وہ ہم میں سے نہیں جو قبائلی تعصب کی بنیاد پر جانبداری کا مظاہرہ کرتا ہے، اور وہ ہم میں سے نہیں جو قبائلی تعصب کی وجہ سے لڑتا ہے، اور وہ ہم میں سے نہیں جو قبائلی تعصب کی وجہ سے مر جائے"۔ جب آپؐ سے پوچھا گیا کہ "قبائلی فرقہ بندی" کا مطلب کیا ہے، تو نبی ﷺ نے جواب دیا، "اس کا مطلب ہے اپنے لوگوں کی غیر منصفانہ طور پر مدد کرنا۔"

اگلے دن ایک اور مصری کے ساتھ تصادم

الغرض صبح کے وقت شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے) تو ناگہاں وہی شخص جس نے کل اُن سے مدد مانگی تھی پھر اُن کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ تُو تو صریح گمراہ ہے ﴿۱۸﴾ جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو وہ (یعنی موسیٰ کی قوم کا آدمی) بول اُٹھا کہ جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا اسی طرح چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو۔ تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم و ستم کرتے پھرو اور یہ نہیں چاہتے ہو کہ نیکو کاروں میں ہو ﴿۱۹﴾ (القصص، 18-19)

مندرجہ بالا آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ مصری بندے پر ایک دفعہ پھر تشدد کرنے والے تھے۔ وہ ایک دفعہ پھر بنی اسرائیل کے ساتھ قبائلی تعلق کی وجہ سے متاثر ہونے لگے تھے۔

اجنبی کی جانب سے حضرت موسیٰؑ کو فرار ہو جانے کا اشارہ

اور ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) بولا کہ موسٰی (شہر کے) رئیس تمہارے بارے میں صلاحیں کرتے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں سو تم یہاں سے نکل جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں ﴿۲۰﴾ موسٰی وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں (کیا ہوتا ہے) اور دعا کرنے لگے کہ اے پروردگار مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔ ﴿۲۱﴾ اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے اُمید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ بتائے ﴿۲۲﴾ (القصص، 20-22)

مدین بحیرہ احمر پر جزیرہ نماء عرب کا ایک قصبہ ہے جو بائبل میں مذکور مِدیان جیسا ہی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا پانی کے کنویں پر پہنچنا

اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے (اور اپنے چارپایوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور ان کے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں۔ موسٰی نے (اُن سے) کہا تمہارا کیا کام ہے۔ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں ﴿۲۳﴾ تو موسٰی نے اُن کے لئے (بکریوں کو) پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف چلے گئے۔ اور کہنے لگے کہ پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے ﴿۲۴﴾ (القصص، 23-24)

تیرہویں صدی قبل مسیح میں حضرت موسیٰؑ اپنی زندگی کے عرب ادوار میں داخل ہو گئے۔ ایک مصری کو قتل کرنے کے بعد حضرت موسیٰؑ جزیرہ نما عرب سے بحیرہ مردار کی طرف ہجرت کرنے والے مدیانیوں کے قبیلے کی طرف بھاگ گئے۔ مدین کے باشندے اموری گروہ کے عربی تھے۔ چونکہ وہ نسلی اور لسانی طور پر عبرانیوں سے قریبی تعلق رکھتے تھے، اس لیے حضرت موسیٰؑ ان خطرناک حالات میں مدد حاصل کرنے کے لیے ان پر بھروسہ کر سکتے تھے۔ مدین پہنچنے کے بعد، حضرت موسیٰؑ ایک کنویں پر آرام کر رہے تھے جب ایک بزرگ حضرت شعیبؑ کی بیٹیاں (بعض مفسرین کے نزدیک مدین کے پادری جیتھرو کی بیٹیاں) اپنے باپ کے ریوڑ کو پانی پلانے کے لیے وہاں آئیں۔ بعد میں حضرت موسیٰؑ نے انکی بیٹی صفورہ سے شادی کر لی۔ جنھوں نے حضرت موسیٰؑ سے یہودی اور عرب تقدیر کے حامل دو بیٹے پیدا کیے۔

جب تمہاری بہن (فرعون کے ہاں) گئی اور کہنے لگی کہ میں تمہیں ایسا شخص بتاؤں جو اس کو پالے۔ تو (اس طریق سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کریں۔ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تو ہم نے تم کو غم سے مخلصی دی اور ہم نے تمہاری (کئی بار) آزمائش کی۔ پھر تم کئی سال اہل مدین میں ٹھہرے رہے۔ پھر اے موسیٰؑ تم (قابلیت رسالت کے) اندازے پر آپہنچے ﴿۴۰﴾ اور میں نے تم کو اپنے (کام کے) لئے بنایا ہے ﴿۴۱﴾ (طہ، 40-41)

روحانی پختگی

اور جب موسٰی جوانی کو پہنچے اور بھرپور (جوان) ہو گئے تو ہم نے اُن کو حکمت اور علم عنایت کیا۔ اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں (القصص، 14)

یہ بیان اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ روحانی شعور کی نعمت کی گہری اہمیت پر زور دیتا ہے، جو کہ معقول سوچ کے ساتھ مل کر بہت اہمیت کی حامل ہے، جیسا کہ اس بیان "صحیح اور غلط کے درمیان فیصلہ کرنے کی صلاحیت" کے نظریے میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اوپر بیان کیے گئے واقعات کے بعد حضرت موسیٰؑ نے اس روحانی پختگی کو حاصل کر لیا۔

بزرگ کا حضرت موسیٰؑ کو ملازمت پر رکھنا

(تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی۔ موسٰی کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اس کی تم کو اُجرت دیں۔ جب وہ اُن کے پاس آئے اور اُن سے اپنا ماجرا بیان کیا تو اُنہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو۔ تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو ﴿۲۵﴾ ایک لڑکی بولی کہ ابّا ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا اور امانت دار (ہو) ﴿۲۶﴾ (القصص، 25-26)

بزرگ کا اپنی بیٹی سے شادی کرنے کی دعوت دینا

اُنہوں نے (موسیٰؑ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں اس عہد پر کہ تم آٹھ برس میری خدمت کرو اور اگر دس سال پورے

کر دو تو تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تم پر تکلیف ڈالنی نہیں چاہتا۔ مجھے ان شاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے ﴿۲۷﴾ موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں اور آپ میں یہ (عہد پختہ ہوا) میں جونسی مدت (چاہوں) پوری کر دوں پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے ﴿۲۸﴾ (القصص، 27-28)

(III) اللہ سے پہلی ملاقات

جلتی ہوئی جھاڑی

جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر چلے تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ تم یہاں ٹھیرو۔ مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں وہاں سے (رستے کا) کچھ پتہ لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپو ﴿۲۹﴾ جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی کہ موسیٰ میں تو خدائے رب العالمین ہوں ﴿۳۰﴾ (القصص، 29-30)

جب موسیٰؑ اس کے پاس آئے تو ندا آئی کہ وہ جو آگ میں (تجلّی دکھاتا) ہے بابرکت ہے۔ اور جو آگ کے ارد گرد ہیں اور خدا جو تمام عالم کا پروردگار ہے پاک ہے ﴿۸﴾ اے موسیٰؑ میں ہی خدائے غالب و دانا ہوں ﴿۹﴾ (النمل، 8-9)

میں تو تمہارا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دو۔ تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طویٰ میں ہو ﴿۱۲﴾ اور میں نے تم کو انتخاب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو ﴿۱۳﴾ بے شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو ﴿۱۴﴾ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلا پائے ﴿۱۵﴾ تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ ﴿۱۶﴾ (طٰہٰ، 12-16)

اسم "الطور" (پہاڑی) وہ جگہ ہے جہاں خدا نے حضرت موسیٰؑ کو پکارا اور لفظ "آگ" روشنی کا مترادف ہے، یعنی وہ روشنی جو خدا نے اپنے انبیاء کو عطا کی، جو اپنی پیدائشی روحانی حساسیت کی وجہ سے اس کے قریب تھے۔ جس "درخت" کا حوالہ دیا گیا ہے وہ بائبل کی "جلتی ہوئی جھاڑی" سے مماثلت رکھتا ہے (بابِ خروج 3:2)، یہ دو لحاظ سے مقدس ہے کیونکہ ایک تو حضرت موسیٰؑ نے یہاں خدا کی آواز سنی اور دوسرا وہیں ان پر نبوت کا دروازہ کھولا گیا۔ لہٰذا، خدا کی شعوری یاد اور اس کی وحدانیت اور انفرادیت کو تمام سچی عبادات کا باطنی مقصد اور عقلی جواز قرار دیا جاتا ہے۔ الفاظ "جس کے لئے انہوں نے کوشش کی" سے مراد کوشش کرنے کا شعور ہے جس میں غیر ارادی اعمال اور نادانستہ طور پر ہونے والی غلطیوں کے علاوہ لفظی طور پر یا حقیقی عمل میں کی جانے والی ہر کوشش شامل ہے اس سے قطع نظر کہ متعلقہ سرگرمی یا ناکامی اخلاقی طور پر صحیح ہے یا غلط۔ حضرت موسیٰؑ کے قصے کے تناظر میں مذکورہ بالا اصول کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے تمام حقیقی مذاہب کے پس پردہ اخلاقی تصورات کی بنیادی شناخت پر زور دیا ہے۔

صوفیانہ بات چیت

اور کتاب میں موسیٰؑ کا بھی ذکر کرو۔ بے شک وہ (ہمارے) برگزیدہ اور پیغمبر مرسل تھے ﴿۵۱﴾ اور ہم نے ان کو طور کی داہنی جانب پکارا اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا ﴿۵۲﴾ (مریم، 51-52)

عصا کا سانپ بننا اور ہاتھ کا چمکنا

اور موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے ﴿۱۷﴾ انہوں نے کہا یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں سہارا لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی کئی فائدے ہیں ﴿۱۸﴾ فرمایا کہ موسیٰؑ اسے ڈال دو ﴿۱۹﴾ (طٰہٰ، 17-19)

اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے، تو پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ (ہم نے کہا کہ) موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں ہو ﴿۳۱﴾ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالو تو بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا اور خوف دور ہونے (کی وجہ) سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو۔ یہ دو دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ہیں (ان کے ساتھ) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ کہ وہ نافرمان لوگ ہیں ﴿۳۲﴾ (القصص، 31-32)

حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ جس کی طرف اٹھایا وہ نبوت کی روشنی سے حیرت انگیز طور پر چمک اٹھا۔ عصا کی سانپ میں معجزانہ تبدیلی ایک صوفیانہ اہمیت رکھتی ہے۔

محاورے پر مبنی جملہ "اپنے بازوؤں کو اپنے قریب کر لو" خوف سے آزادی کا اظہار ہے، اس کے برعکس جب کوئی شخص اچانک کسی خوفناک چیز کا سامنا کرتا ہے تو وہ اپنے ہاتھوں یا بازوؤں کو غیر ارادی طور پر کھینچ لیتا ہے۔ ان "دو نشانیوں" کو حضرت موسیٰ کے خدا کی ہمہ گیریت پر یقین ہونے کی وجہ سے، ہر طرح کے جسمانی یا اخلاقی خوف سے ہمیشہ آزاد رہنے کی صلاحیت کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ یہاں ظاہری شکل اور حقیقت میں ایک اندرونی فرق ہوتا ہے۔ اس لیے، خدا اپنے منتخب کردہ لوگوں کو اس فرق کے بارے میں روحانی بصیرت عطا کرتا ہے اور یہ بتانے کی ان کو صلاحیت دیتا ہے کہ ظاہری چیز اور حقیقت ہمیشہ ایک جیسی نہیں ہوتی۔ چونکہ حضرت موسیٰ نے ایک مصری کو قتل کیا تھا، اس لیے انہیں انتقام کا خوف تھا، جس کی وجہ سے ان کا اپنے مشن کو پورا کرنا ممکن تھا۔

یہ مشن حضرت ہارونؑ کو دے دیں

اور جب تمہارے پروردگار نے موسیٰؑ کو پکارا کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ ﴿۱۰﴾ (یعنی) قوم فرعون کے پاس، کیا یہ ڈرتے نہیں ﴿۱۱﴾ انہوں نے کہا کہ میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ یہ مجھے جھوٹا سمجھیں ﴿۱۲﴾ اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے تو ہارون کو حکم بھیج کہ میرے ساتھ چلیں ﴿۱۳﴾ اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے سو مجھے یہ بھی خوف ہے کہ مجھ کو مار ہی ڈالیں ﴿۱۴﴾ فرمایا ہرگز نہیں۔ تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں ﴿۱۵﴾ تو دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تمام جہان کے مالک کے بھیجے ہوئے ہیں ﴿۱۶﴾ (اور اس لئے آئے ہیں) کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیں ﴿۱۷﴾ (الشعراء، 10-17)

حضرت ہارونؑ بطور مددگار

موسیٰ نے کہا اے پروردگار اُن میں کا ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے سو مجھے خوف ہے کہ وہ (کہیں) مجھ کو مار نہ ڈالیں ﴿۳۳﴾ اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے مجھے خوف ہے کہ وہ میری لوگ تکذیب کریں گے ﴿۳۴﴾ (خدا نے) فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے تو ہماری نشانیوں کے سبب وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے (اور) تم اور جنہوں نے تمہاری پیروی کی غالب رہو گے ﴿۳۵﴾ (القصص، 33-35)

کہا میرے پروردگار (اس کام کے لئے) میرا سینہ کھول دے ﴿۲۵﴾ اور میرا کام آسان کر دے ﴿۲۶﴾ اور میری زبان کی گرہ کھول دے ﴿۲۷﴾ تاکہ وہ بات سمجھ لیں ﴿۲۸﴾ اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر (یعنی مددگار) مقرر فرما ﴿۲۹﴾ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو ﴿۳۰﴾ اس سے میری قوت کو مضبوط فرما ﴿۳۱﴾ اور اسے میرے کام میں شریک کر ﴿۳۲﴾ تاکہ ہم تیری بہت سی تسبیح کریں ﴿۳۳﴾ اور تجھے کثرت سے یاد کریں ﴿۳۴﴾ تو ہم کو (ہر حال میں) دیکھ رہا ہے ﴿۳۵﴾ (طٰہٰ، 25-35)

موسیٰ نے کہا اے پروردگار اُن میں کا ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے سو مجھے خوف ہے کہ وہ (کہیں) مجھ کو مار نہ ڈالیں ﴿۳۳﴾ اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے مجھے خوف ہے کہ وہ میری لوگ تکذیب کریں گے ﴿۳۴﴾ (خدا نے) فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے تو ہماری نشانیوں کے سبب وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے (اور) تم اور جنہوں نے تمہاری پیروی کی غالب رہو گے ﴿۳۵﴾ (القصص، 33-35)

وزیر (مددگار) کی اصطلاح کا بنیادی مطلب ہے بوجھ اٹھانے والا، جو وزر "ایک بوجھ" سے ماخوذ ہے؛ اس لیے بعد میں حکومت کے وزراء کے لیے اس اصطلاح کا اطلاق کیا گیا۔

فرعون کے سب سے اہم جرائم اس کا خدا ہونے کا دعویٰ، اس کا وحشیانہ یہودی مخالف رویہ اور عبرانی مردوں کی نسل کشی تھے۔ اب خدا نے حضرت موسیٰ کو اپنے لوگوں کو غلامی سے نجات دلانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنی قابلیت کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا، خاص طور پر ایک عوامی مقرر کے طور پر اپنی اہلیت کے بارے میں کہ ("میں بولنے میں سست ہوں اور میری زبان دھیمی ہے"، دیکھیے بابِ خروج 4:10)، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک واضح مقرر نہیں تھے۔ یہ حضرت موسیٰ کی انتہائی عاجزی تھی، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے آپ کو اس کام کو پورا کرنے کے قابل نہیں سمجھا جس کام کے لیے انہیں چنا گیا تھا، اور خدا سے کہا کہ وہ اسے حضرت ہارونؑ کو سونپ دے۔ "ایک سنگین الزام" سے مراد ان کا ایک مصری کو قتل کرنا تھا، جو آبائی سرزمین سے حضرت موسیٰ کے جانے کا سبب بنا تھا۔

حضرت موسیٰ کا سچی توبہ کرنا

اور اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب اُسے دیکھا تو (اس طرح) ہل رہی تھی گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) موسیٰؑ ڈرو مت۔ ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ﴿۱۰﴾ ہاں جس نے ظلم کیا پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو میں بخشنے والا مہربان ہوں ﴿۱۱﴾ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو سفید نکلے گا۔ (ان دو معجزوں کے ساتھ جو) نو معجزوں میں (داخل ہیں) فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ کہ وہ بے حکم لوگ ہیں ﴿۱۲﴾ (النمل، 10-12)

سچی توبہ کرنے سے "برائی کو نیکی میں بدل دیا"۔ اس سے مراد جوانی میں حضرت موسیٰؑ کی جانب سے مصری کو قتل کرنے کا عمل ایک جرم تھا۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لیے منتخب ہونا

فرمایا موسیٰؑ تمہاری دعا قبول کی گئی (طہٰ، 36)

جب تمہاری بہن (فرعون کے ہاں) گئی اور کہنے لگی کہ میں تمہیں ایسا شخص بتاؤں جو اس کو پالے۔ تو (اس طریق سے) ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کریں۔ اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تو ہم نے تم کو غم سے مخلصی دی اور ہم نے تمہاری (کئی بار) آزمائش کی۔ پھر تم کئی سال اہل مدین میں ٹھہرے رہے۔ پھر اے موسیٰؑ تم (قابلیت رسالت کے) اندازے پر آپہنچے ﴿۴۰﴾ اور میں نے تم کو اپنے (کام کے) لئے بنایا ہے ﴿۴۱﴾ تو تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا ﴿۴۲﴾ دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے ﴿۴۳﴾ (طہٰ، 40-43)

(IV) فرعون کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کا مصر واپس جانا

خدا کے ساتھ ملاقات کے بعد، حضرت موسیٰؑ جیتھرو کے پاس واپس آئے اور مصر میں اپنے لوگوں سے ملنے کے لئے کہا، لیکن انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ خدا نے انہیں اپنے لوگوں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اپنے بیٹوں اور بیوی کو لے کر مصر واپس چلے گئے۔ حضرت ہارونؑ اور حضرت موسیٰؑ جنگل میں دوبارہ اکٹھے ہوئے اور فرعون کا سامنا کرنے کے لیے خود کو تیار کیا۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ خوف کا اظہار کرتے رہے

خدا نے فرمایا کہ ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں (اور) سنتا اور دیکھتا ہوں ﴿۴۶﴾ (اچھا) تو اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔ اور انہیں عذاب نہ کیجیے۔ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں۔ اور جو ہدایت کی بات مانے اس کو سلامتی ہو ﴿۴۷﴾ ہماری طرف یہ وحی آئی ہے کہ جو جھٹلائے اور منہ پھیرے اس کے لئے عذاب (تیار) ہے ﴿۴۸﴾ (غرض موسیٰؑ اور ہارون فرعون کے پاس گئے) اس نے کہا کہ موسیٰؑ تمہارا پروردگار کون ہے؟ ﴿۴۹﴾ (طہٰ، 46-49)

فرعون کو خدا کی طرف آنے کی دعوت دو، لیکن نرمی سے بات کرنا

(اور حکم دیا) کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے ﴿۱۷﴾ اور (اس سے) کہو کہ کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے؟ ﴿۱۸﴾ اور میں تجھے تیرے پروردگار کا رستہ بتاؤں تاکہ تجھ کو خوف (پیدا) ہو ﴿۱۹﴾ (النازعات، 17-19)

اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے (طہٰ، 44)

"اپنے پروردگار کے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرو" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک انسان خدا کے وجود سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا، وہ اخلاقی طور پر صحیح یا غلط میں فرق نہیں کر سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والا ہے، اس لیے وہ کسی ایسے شخص کو سزا نہیں دیتا جس نے ابھی تک اس کے متعلق سمجھ حاصل نہ کی ہو۔ دیکھیں 6:131: "تیرا پالنے والا کبھی بھی کسی جماعت کو اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے اس وقت تک تباہ نہیں کرے گا، جب تک اس کے لوگ حق و باطل کے معنی سے ناواقف ہوں گے"۔

"تاکہ وہ اپنے آپ میں یہ سوچے" کہ حضرت موسیٰؑ کے الفاظ میں کچھ سچائی ہے۔ چونکہ خدا مستقبل کو جانتا ہے، اس لیے مندرجہ بالا جملے کی آزمائشی شکل

خدا کی طرف سے بتائے گئے فرعون کے مستقبل کے رد عمل کے بارے میں کوئی "شبہ" نہیں رکھتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اس کا پیغام پہنچانے والے کو دیے گئے حکم سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ وہ گنہگار سے نرمی سے مخاطب ہو، اس خیال کے ساتھ کہ مؤخر الذکر کے اپنے بارے میں سوچ سکے۔ ہر قرآنی بیانیہ کا مقصد ایک ابدی سچائی کو سامنے لانا یا انسانی رویے کے عالمگیر اصول کو واضح کرنا ہے۔ خدا کا حضرت موسیٰؑ کو ایک گنہگار سے "نرمی" سے بات کرنے کا حکم ہر دور کے لیے اور مذہب تبدیل کروانے کی اس طرح کی تمام کوششوں کے لئے اس حکم کی فعالیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

فرعون سے ملاقات

فرعون نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا، اور انسانی جسم میں ایک دیوتا کے طور پر، وہ چھوٹے معبودوں سے حکم لینے کا عادی نہیں تھا، لہٰذا خداوند جیسے اسرائیل کے اکیلے خدا کا حکم ماننا تو دور کی بات تھی۔ اس طرح خدا اور اس کی قدرت کے بارے میں ایک نئی تفہیم رکھنے والے نبی اور حد سے زیادہ انا والے فرعون کے درمیان ایک طویل تاریخی جدوجہد کے لیے اسٹیج تیار کیا گیا۔

بنی اسرائیل کو جانے دو

اور موسیٰؑ نے کہا کہ اے فرعون میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں ﴿۱۰۴﴾ مجھ پر واجب ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دیجیے ﴿۱۰۵﴾ (الاعراف، 104-105)

فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو ماضی کے احسانات یاد دلائے

(فرعون نے موسیٰؑ سے کہا) کیا ہم نے تم کو کہ ابھی بچّے تھے پرورش نہیں کیا اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر بسر (نہیں) کی ﴿۱۸﴾ اور تم نے وہ کام کیا تھا جو کیا اور تم ناشکرے معلوم ہوتے ہو ﴿۱۹﴾ (موسیٰؑ نے) کہاں (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں خطاکاروں میں تھا ﴿۲۰﴾ تو جب مجھے تم سے ڈر لگا تو تم میں سے بھاگ گیا۔ پھر خدا نے مجھ کو نبوت و علم بخشا اور مجھے پیغمبروں میں سے کیا ﴿۲۱﴾ اور (کیا) یہی احسان ہے جو آپ مجھ پر رکھتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے ﴿۲۲﴾ (الشعراء، 18-22)

لفظ "گھناؤنے کام" کا خلاصہ اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ مذکورہ جملے کو بیان کا مقصد فرعون کی جانب سے حضرت موسیٰؑ کے قتل کے اقدام کی شدید مذمت کا اظہار کرنا ہے۔

تمام جہانوں کا پالنے والا کون ہے؟

(غرض موسیٰؑ اور ہارون فرعون کے پاس گئے) اس نے کہا کہ موسیٰؑ تمہارا پروردگار کون ہے؟ ﴿۴۹﴾ کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی پھر راہ دکھائی ﴿۵۰﴾ (طہٰ، 49-50)

کہا کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک۔ بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو ﴿۲۴﴾ فرعون نے اپنے اہالی موالی سے کہا کہ کیا تم سنتے نہیں ﴿۲۵﴾ (موسیٰؑ نے) کہا کہ تمہارا اور تمہارے پہلے باپ دادا کا مالک ﴿۲۶﴾ (فرعون نے) کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے باؤلا ہے ﴿۲۷﴾ موسیٰؑ نے کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو ﴿۲۸﴾ (الشعراء، 24-28)

لفظ خلق نہ صرف کسی تخلیق شدہ شے یا وجود کی اندرونی فطرت کو ظاہر کرتا ہے بلکہ اس ظاہری شکل کو بھی ظاہر کرتا ہے جس میں یہ فطرت پائی جاتی ہے، لہٰذا، اس کا مخلوط ترجمہ "اس کی حقیقی فطرت اور شکل" کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ جو کچھ بھی اس کائنات موجود ہے اس کو بنانے میں خدا کی مرضی کا شامل حال ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا پالنے والا ہے۔ "کیا تم لوگوں نے سنا کہ اس نے کیا کہا؟" یہ فرعون کا ایک بیانبازی کا سوال تھا، جس کا مقصد حیرت، غصہ یا طنز کا اظہار کرنا تھا۔

پچھلی نسلوں کے بارے میں آپؐ کا کیا خیال ہے؟

کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال؟ ﴿۵۱﴾ کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے)۔ میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے ﴿۵۲﴾ (طہٰ، 51-52)

فرعون نے پچھلی نسلوں کے بارے میں دریافت کیا، جو کئی دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے؛ کیا وہ، آپ کی نظر میں، ناقابل تلافی حد تک برباد ہو چکے ہیں؟ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ آنے والی زندگی میں صرف خدا ہی ان کی تقدیر کا فیصلہ کر سکتا ہے، کیونکہ صرف وہ ہی ان کے مقاصد کو جانتا ہے اور ان کی غلطیاں کرنے کی وجہ کو سمجھتا ہے۔ صرف وہی ان کی روحانی خوبیوں اور خامیوں کی جانچ کر سکتا ہے۔

اپنی نبوت کی نشانیاں دکھائیں

فرعون نے کہا اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو اگر سچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ) ﴿١٠٦﴾ موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دی تو وہ اسی وقت صریح اژدھا (ہو گیا) ﴿١٠٧﴾ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں کی نگاہوں میں سفید براق (تھا) ﴿١٠٨﴾ (الاعراف، 106-108)

حضرت موسیٰ کا ہاتھ کسی داغ کے بغیر سفید چمک رہا تھا، مثال کے طور پر، ان کی نبوت کی علامت کے طور پر غیر معمولی چمک سے مالا مال تھا — نہ کہ، جیسا کہ بائبل میں بیان کیا گیا ہے کہ، ان کا ہاتھ "لیپروس برف کی طرح" تھا (بابِ خروج 4:6)۔

نو واضح پیغامات اور معجزاتی نشانیاں

اور ہم نے موسیٰؑ کو نو کھلی نشانیاں دیں تو بنی اسرائیل سے دریافت کر لو کہ جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰؑ میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کیا گیا ہے ﴿١٠١﴾ انہوں نے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا ان کو کسی نے نازل نہیں کیا۔ (اور وہ بھی تم لوگوں کے سمجھانے کو۔ اور اے فرعون میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے ﴿١٠٢﴾ (بنی اسرائیل، 101-102)

نو واضح پیغامات سے مراد نو مخصوص احکامات یا نو اخلاقی اصول ہو سکتے ہیں، جن میں سب سے اہم خدا کی وحدانیت اور انفرادیت پر زور دینا ہے۔ تاہم، نمبر "نو" "متعدد" یا اس سے زیادہ کے مترادف نہیں ہو سکتا جس طرح "سات" اور "ستر" کلاسیکی عربی میں "کئی" یا "متعدد" کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ درج ذیل جملے کا یہ مطلب ہے کہ: موجودہ زمانے کے بنی اسرائیل کو بتائیں کہ قرآن ہمیں اس سلسلے میں کیا بتاتا ہے تو وہ اپنے صحیفوں سے اس کی تصدیق کرنے کے پابند ہوں گے۔

جادو ٹونہ

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰؑ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار لوگ تھے ﴿٧٥﴾ تو جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے ﴿٧٦﴾ موسیٰؑ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے۔ حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پانے کے ﴿٧٧﴾ (یونس، 75-77)

آپ سب سے اعلیٰ بننا چاہتے ہیں

جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں پہنچیں، کہنے لگے یہ صریح جادو ہے ﴿١٣﴾ اور بے انصافی اور غرور سے ان سے انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔ سو دیکھ لو فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا ﴿١٤﴾ (النمل، 13-14)

"جادو کے سوا کچھ نہیں" یہ وہ الزام ہے جو حضرت موسیٰ پر لگایا گیا تھا اور ان کی طرف سے پہنچائے جانے والے پیغامات کو جادوئی قوت سے مشابہت دی گئی تھی، جیسا کہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر بھی اعتراضات کیے گئے تھے۔ حضرت موسیٰ کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ جادو عارضی دکھاوے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا اور اس میں روحانی مواد کی کمی ہوتی ہے اور یہ قدرت کے ان قوانین کے خلاف کبھی غالب نہیں ہو سکتا جنہیں قرآن میں "خدا کا راستہ" کہا گیا ہے۔

میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں

اور جب موسیٰ اُن کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ جادو ہے جو اُس نے بنا کھڑا کیا ہے اور یہ باتیں ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) سنی نہیں ﴿٣٦﴾ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا پروردگار اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کے لئے عاقبت کا گھر (یعنی بہشت) ہے۔ بیشک ظالم نجات نہیں پائیں گے ﴿٣٧﴾ اور فرعون نے کہا کہ اے اہلِ دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا تو ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگوا (کر اینٹیں پکوا) دو پھر ایک (اُونچا) محل بنا دو تاکہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں ﴿٣٨﴾ (القصص، 36-38)

اور فرعون نے اپنی قوم سے پکار کر کہا کہ اے قوم کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور یہ نہریں جو میرے (محلوں کے) نیچے بہہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں ﴿۵۱﴾ بے شک میں اس شخص سے جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا کہیں بہتر ہوں ﴿۵۲﴾ تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اُتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے ﴿۵۳﴾ غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی۔ اور انہوں نے اس کی بات مان لی۔ بے شک وہ نافرمان لوگ تھے ﴿۵۴﴾ (الزخرف، 51-54)

چونکہ فرعون اپنے آپ کو خدا کا روپ سمجھتا تھا، اس لیے اس کی خدائی کو چیلنج کرنے کا مطلب مروجہ مذہبی نظام کو چیلنج کرنا تھا۔ "مستقبل کس کا ہے" سے مراد اس دنیا اور آخرت میں ایک خوشگوار اختتام ہے۔ "میرے حکم پر پانی کا بہاؤ جاری ہے": اس سے مراد دریائے نیل پر مسلط اور شاہی طاقت کے زیر کنٹرول آبپاشی کے نظام کا حوالہ ہے۔ "کون اس کے معنوں کو واضح کر سکتا ہے" سے مراد وہ تقریر ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کو اپنے پیغام کے مندرجات تک پہنچنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور جس پر فرعون نے یقین نہیں کیا تھا۔ قدیم مصر میں، سنہری بازوبند اور سنہری ہاروں کو شاہی نشان یا اعلیٰ سماجی وقار کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ (بابِ پیدائش 41:42)

فرعون نے تمام ہدایتوں کو جھٹلا دیا

غرض انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھائی ﴿۲۰﴾ مگر اس نے جھٹلایا اور نہ مانا ﴿۲۱﴾ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا ﴿۲۲﴾ اور (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا ﴿۲۳﴾ کہنے لگا کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں ﴿۲۴﴾ (النازیات، 20-24)

(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا ﴿۲۹﴾ (موسیٰؑ نے) کہا خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز لاؤں (یعنی معجزہ) ﴿۳۰﴾ (الشعراء، 29-30)

پہلے جملے کے فقرے کے لغوی معنی یہ ہیں کہ "وہ اسے عظیم عجائب دکھاتا ہے"، یعنی وہ ہدایت جو خدا اپنے بے انتہا فضل سے سب سے زیادہ ضدی گنہگار کو بھی عطا کرتا ہے۔ فرعون کا خدا ہونے کا دعویٰ بنیادی گناہ تھا، جس کی وجہ سے "وہ ہدایت کے تمام حقوق سے محروم ہو چکا تھا"۔

کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں

(یعنی) فرعون اور اس کی جماعت کی طرف، تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے ﴿۴۶﴾ کہنے لگے کہ کیا ہم ان اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں اور اُن کی قوم کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں ﴿۴۷﴾ تو اُن لوگوں نے اُن کی تکذیب کی سو (آخر) ہلاک کر دیئے گئے ﴿۴۸﴾ اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں ﴿۴۹﴾ اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور عمل نیک کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں ﴿۵۱﴾ (المومنون، 46-49،51)

"اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ" کا مطلب خدا کے تمام رسولوں کے انسان ہونے اور فانی ہونے پر زور دینا ہے اور اس طرح کافروں کی اس دلیل کی تردید کرنا ہے کہ خدا "ہمارے جیسے فانی" کو اپنا پیغام پہنچانے کے لئے منتخب نہیں کر سکتا تھا۔ یہ دلائل اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ صرف وہ انسان جو "زندگی کی پاکیزہ چیزوں میں سے حصہ لیتے ہیں" اپنے ساتھی انسانوں کی ضروریات اور محرکات کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کے روحانی اور معاشرتی تحفظات میں ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

فرعون کا ایک بلند مینار بنانے کا مطالبہ

اور فرعون نے کہا کہ اے اہلِ دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا تو ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگوا (کر اینٹیں پکوا) دو پھر ایک (اُونچا) محل بنا دو تاکہ میں موسیٰ کے خدا کی طرف چڑھ جاؤں اور میں تو اُسے جھوٹا سمجھتا ہوں ﴿۳۸﴾ اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے اور خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے ﴿۳۹﴾ (القصص، 38-39)

فرعون کا ایک بلند مینار بنانے کا مطالبہ عظیم اہرامِ مصر میں سے ایک کی تعمیر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ حضرت موسیٰؑ کے اس تصور کی بھی توہین کرتا ہے کہ خدا کا تصور ایک ہمہ گیر طاقت ہے، جو کہ اس دنیا میں موجود تمام چیزوں سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ قدیم مصری موت کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتے تھے، جس میں آخرت میں خدا کی طرف سے فیصلے کا تصور بھی شامل تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے جس فرعون کا سامنا کیا اس نے تکبر کا برتاؤ کیا اور تمام نیک نیتی کے برخلاف برتاؤ کیا۔ قرآن مجید ان کے رویے کا موازنہ ایسے شخص سے کرتا ہے جو قیامت پر اور خدا کے سامنے انسان کی جوابدہی پر یقین نہیں رکھتا۔ لہٰذا مذکورہ بالا حوالہ یہ بیان کرتا

ہے کہ "انہوں نے سوچا تھا کہ انہیں کبھی ہمارے سامنے پیش نہیں ہونا پڑے گا"۔

(V) فرعون کے خاندان سے گمنام مومن

اگرچہ مصریوں نے بڑے پیمانے پر، یا تو اپنی مرضی سے یا فرعون کی دھمکیوں کی وجہ سے، حضرت موسیٰؑ کے پیغام کو رد کر دیا، لیکن فرعون کے خاندان کا ایک فرد ایسا تھا جس کا دل بدل گیا تھا۔ قرآن اس کی شناخت ظاہر نہیں کرتا۔ اس مومن آدمی کی موجودگی کی دلیل ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

موسیٰؑ کو قتل کرنے کا کام مجھ پر چھوڑ دو

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا ﴿۲۳﴾ (یعنی) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا ﴿۲۴﴾ غرض جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو اس کے ساتھ (خدا پر) ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دو۔ اور کافروں کی تدبیریں بے ٹھکانے ہوتی ہیں ﴿۲۵﴾ اور فرعون بولا کہ مجھے چھوڑو کہ موسیٰؑ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلا لے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ (کہیں) تمہارے دین کو نہ بدل دے یا ملک میں فساد (نہ) پیدا کر دے ﴿۲۶﴾ موسیٰؑ نے کہا کہ میں ہر متکبر سے جو حساب کے دن (یعنی قیامت) پر ایمان نہیں لاتا۔ اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں ﴿۲۷﴾ (المومن، 23-27)

کیا آپ کسی مومن کو قتل کریں گے؟

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہنے لگا کیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا پروردگار خدا ہے اور وہ تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے۔ اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اس کے جھوٹ کا ضرر اسی کو ہو گا۔ اور اگر سچا ہو گا تو کوئی سا عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا۔ بے شک خدا اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہے ﴿۲۸﴾ اے قوم آج تمہاری ہی بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں غالب ہو۔ (لیکن) اگر ہم پر خدا کا عذاب آ گیا تو (اس کے دور کرنے کے لئے) ہماری مدد کون کرے گا۔ فرعون نے کہا کہ میں تمہیں وہی بات سُجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے ﴿۲۹﴾ (المومن، 28-29)

یہاں بیان کردہ گمنام مومن دلیل دیتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا پیغام اس قدر قائل کرنے والا ہے کہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ وحی الٰہی کے جھوٹے دعوے کے ذریعے – "اپنے نفس کو برباد کرنے والا" یا خود کو روحانی طور پر تباہ کرنے والا نہیں ہے۔

تم سے پہلے کی بدکردار اُمتوں کا انجام

تو جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم مجھے تمہاری نسبت خوف ہے کہ (مبادا) تم پر اور اُمتوں کی طرح کے دن کا عذاب آ جائے ﴿۳۰﴾ یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے ہیں ان کے حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے) اور خدا تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا ﴿۳۱﴾ اور اے قوم مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے ﴿۳۲﴾ جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے دن سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب) خدا سے بچانے والا نہ ہو گا۔ اور جس شخص کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ﴿۳۳﴾ (المومن، 30-33)

خدا اپنی مخلوق پر کوئی ظلم نہیں کرتا۔ اس دنیا میں ان گنہگاروں کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس کے مستحق تھے۔ درج ذیل دو آیات قیامت کے دن کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کا انکار

اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے تھے تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے کہ

خدااس کے بعد کبھی کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو ﴿۳۴﴾ جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو خدا کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں۔ خدا کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے۔ اسی طرح خدا ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے ﴿۳۵﴾ (المومن، 34-35)

حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر میں صرف حکمران طبقے نے نبی کے طور پر قبول کیا تھا۔ ہکسوس، جو عرب نژاد تھے، عبرانی زبان سے ملتی جلتی زبان بولتے تھے اور اسی وجہ سے جذباتی اور ثقافتی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے مشن کی روحانیت کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ باقی آبادی ان کے تبلیغ کردہ عقیدے کے خلاف تھی اور خلاف ہی رہی۔ چنانچہ مصریوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس امکان سے انکار کر دیا کہ خدا کسی نبی کو بھیج سکتا ہے۔ انہوں نے خدا کے پیغام کو بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے مسترد کر دیا جو کہ وحی کے انکار کے مترادف ہے۔

میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں

اور وہ شخص جو مومن تھا اس نے کہا کہ بھائیو میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کا رستہ دکھاؤں ﴿۳۸﴾ بھائیو یہ دنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے۔ اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے ﴿۳۹﴾ جو برے کام کرے گا اس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا۔ اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا ﴿۴۰﴾ (المومن، 38-40)

اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہو

اور اے قوم میرا کیا (حال) ہے کہ میں تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو ﴿۴۱﴾ تم مجھے اس لئے بلاتے ہو کہ خدا کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک مقرر کروں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں۔ اور میں تم کو (خدائے) غالب (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں ﴿۴۲﴾ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے) کا مقدور نہیں اور ہم کو خدا کی طرف لوٹنا ہے اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں ﴿۴۳﴾ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے۔ اور میں اپنا کام خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک خدا بندوں کو دیکھنے والا ہے ﴿۴۴﴾ غرض خدا نے موسیٰؑ کو ان لوگوں کی تدبیروں کی برائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو برے عذاب نے آگھیرا ﴿۴۵﴾ (المومن، 41-45)

مصریوں کو پیغام الٰہی قبول کرنے کی دعوت

اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس ایک عالی قدر پیغمبر آئے ﴿۱۷﴾ (جنہوں نے) یہ (کہا) کہ خدا کے بندوں (یعنی بنی اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں ﴿۱۸﴾ اور خدا کے سامنے سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں ﴿۱۹﴾ اور اس (بات) سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں ﴿۲۰﴾ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ ﴿۲۱﴾ (الدخان، 17-21)

"خدا کے بندوں کو میرے حوالے کر دو" اس جملے کو دونوں معنوں میں سے کسی ایک میں سمجھا جا سکتا ہے۔(1) اس کا مطلب مصریوں کو پکارنا ہو سکتا ہے (چونکہ تمام انسان "خدا کے بندے" ہیں) تاکہ وہ اس پیغام الٰہی کو قبول کریں جو حضرت موسیٰؑ ان تک پہنچانے والے تھے۔(2) اس کے متبادل کے طور پر اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ، "خدا کے بندوں [یعنی بنی اسرائیل] کو، جو مصر میں غلامی میں رکھے گئے تھے، میرے حوالے کر دیں"۔ ان دونوں تشریحات میں سے کسی کو بھی ٹھیک سمجھا جا سکتا ہے۔ "مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرو" یا ایسا نہ ہو کہ تم مجھے سنگسار کر دو- یہ الفاظ جسمانی طور پر پتھر مارنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں، اور ساتھ ہی استعاراتی طور پر، "الزام تراشی کرنے" یا گالی دینے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مصریوں میں بہت کم لوگوں کا ایمان لانا

تو موسیٰؑ پر کوئی ایمان نہ لایا۔ مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ ان کو آفت میں نہ پھنسا دے۔ اور فرعون ملک میں متکبر و متغلب اور (کبر و کفر) میں حد سے بڑھا ہوا تھا (یونس، 83)

چونکہ قرآن نے ذکر کیا ہے کہ کچھ مصری حضرت موسیٰؑ کے پیغام پر ایمان لائے اور کھلے عام اپنے عقیدے کا اعلان کیا، اس لیے وہ بنی اسرائیل کے علاوہ "اُن کی اُمّت کے لوگ" بن گئے۔ اس جملے کی مندرجہ ذیل شق میں اس مفروضے کو تقویت ملتی ہے جس میں مصری "اہل دربار" کے تاثر کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ترتیب سے

پتہ چلتا ہے کہ یہاں عقیدہ نہیں بلکہ عقیدہ کا کھلم کھلا اظہار کرنے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان کے خوف کی وجہ سے اکثر مصریوں نے اپنے ایمان کا کھل کر اعلان نہیں کیا تھا۔

(VI) حضرت موسیٰؑ اور مصر کے جادوگروں کے درمیان مقابلہ

فرعون (مصر کے ہر مقامی حکمران کا لقب) ایک عمر رسیدہ بادشاہ اور مصری مذہب کا مجسمہ تھا۔ تمام مصریوں کا فرض تھا کہ وہ سرکاری مذہب کو زندگی کا ایک لازمی حصہ تسلیم کریں۔ جس میں جادو کے طریقے اور جادو ایک خاص اہمیت رکھتے تھے۔

مصر کے جادوگروں کی طلبی

تو قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا علامہ جادوگر ہے ﴿۱۰۹﴾ اس کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے نکال دے۔ بھلا تمہاری کیا صلاح ہے؟ ﴿۱۱۰﴾ انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰؑ اور اس کے بھائی کے معاملے کو معاف رکھیے اور شہروں میں نقیب روانہ کر دیجیے ﴿۱۱۱﴾ کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں ﴿۱۱۲﴾ (الاعراف، 109 - 112)

فرعون نے مصر کے تمام بڑے جادوگروں کو اپنے فنی منصوبے کے ذریعے فیصلہ کرنے کے لیے بلایا، اور مقابلہ تہوار کے دن یا زیبائش کے دن مقرر کیا گیا، جو مصر کے نئے سال کا دن تھا۔ جادوگر سرکاری فرقے آمون کے پجاری تھے، جس فرقے میں جادو اہم کردار ادا کرتا تھا۔ اس طرح، حضرت موسیٰؑ پر ان کی فتحیابی کی صورت میں ریاستی مذہب کی عوامی سطح پر تصدیق ہو جاتی تھی۔

حضرت موسیٰؑ کو فرعون کا چیلنج

اور ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں مگر وہ تکذیب وانکار ہی کرتا رہا ﴿۵۶﴾ کہنے لگا کہ موسیٰؑ تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو (کے زور) سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو ﴿۵۷﴾ تو ہم بھی تمہارے مقابل ایسا ہی جادو لائیں گے تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو کہ نہ تو ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم (اور یہ مقابلہ) ایک ہموار میدان میں (ہوگا) ﴿۵۸﴾ (طہٰ، 56-58)

موسیٰؑ نے کہا آپ کے لئے (مقابلے کا) دن نوروز (مقرر کیا جاتا ہے) اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں ﴿۵۹﴾ تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے سامان جمع کر کے پھر آیا ﴿۶۰﴾ (طہٰ، 59-60)

موسیٰؑ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ ہائے تمہاری کمبختی۔ خدا پر جھوٹ افتراء نہ کرو کہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد رہا ﴿۶۱﴾ تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے اور چپکے چپکے سرگوشی کرنے لگے ﴿۶۲﴾ کہنے لگے یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو (کے زور) سے تم کو تمہارے ملک سے نکل دیں اور تمہارے شائستہ مذہب کو نابود کر دیں ﴿۶۳﴾ تو تم (جادو کا) سامان اکٹھا کر لو اور پھر قطار باندھ کر آؤ۔ آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا ﴿۶۴﴾ (طہٰ، 61-64)

(چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے ﴿۱۱۳﴾ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور (اس کے علاوہ) تم مقربوں میں داخل کر لیے جاؤ گے ﴿۱۱۴﴾ (الاعراف، 113-114)

جادوگروں نے قبل از وقت فتح کا اعلان کر دیا

تو جادوگر ایک مقررہ دن کی میعاد پر جمع ہو گئے ﴿۳۸﴾ اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو کر جانا چاہیئے ﴿۳۹﴾ تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں تو ہم ان کے پیرو ہو جائیں ﴿۴۰﴾ (الشعراء، 38-40)

(جب فریقین روزِ مقررہ پر جمع ہوئے تو) جادوگروں نے کہا کہ موسیٰؑ یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں ﴿۱۱۵﴾ (موسیٰؑ نے) کہا تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر) انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا ﴿۱۱۶﴾ (الاعراف، 115-116)

تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم ہم ضرور غالب رہیں گے (الشعراء، 44)

حضرت موسیٰؑ کے عصاء نے ان کے جادو کے فریب کو نگل لیا

(اُس وقت) موسیٰؑ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا﴿٦٧﴾ ہم نے کہا خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی غالب ہو﴿٦٨﴾ اور جو چیز (یعنی لاٹھی) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اس کو نگل جائے گی۔ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے (یہ تو) جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا﴿٦٩﴾ (طہٰ،67-69)

(اس وقت) ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی اپنی لاٹھی ڈال دو۔ وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو (ایک ایک کرکے) نگل جائے گی﴿١١٧﴾ (پھر) تو حق ثابت ہو گیا اور جو کچھ فرعونی کرتے تھے، باطل ہو گیا﴿١١٨﴾ اور وہ مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو کر رہ گئے﴿١١٩﴾ (الاعراف، 117-119)

جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰؑ نے کہا کہ جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے خدا اس کو بھی نیست و نابود کر دے گا۔ خدا شریروں کے کام سنوارا نہیں کرتا﴿٨١﴾ اور خدا اپنے حکم سے سچ کو سچ ہی کر دے گا اگرچہ گنہگار برا ہی مانیں﴿٨٢﴾ (یونس، 81-82)

جادوگروں کا یہ کارنامہ بڑے پیمانے پر فریب پر مبنی تھا، جس کے سامنے حضرت موسیٰؑ بھی کچھ دیر کے لیے جھک گئے۔ "جادوگر کبھی بھی کسی بھلائی تک نہیں پہنچ سکتا"، چاہے اس کا مقصد اچھا ہو یا برا، یہ جادو کے عنوان کے ماتحت آنے والے تمام اقدامات کی غیر مشروط مذمت ہے۔ "ان کے تمام جادوئی فریبوں کو نگل لیا" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا عمل ایک حقیقی معجزہ تھا، جب کہ جادوگر یقین دلانے والا کارنامہ دکھاتے تھے۔ "خدا کے الفاظ" سے مراد یہاں اس کی تخلیقی طاقت ہے، جو اس کے ذریعہ قائم کردہ فطرت کے قوانین کے ساتھ ساتھ اس کی طرف سے اپنے نبیوں کو عطا کردہ وحی میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔

جادوگروں کے دلوں کی تبدیلی

(یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے﴿١٢٠﴾ اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے پروردگار پر ایمان لائے﴿١٢١﴾ یعنی موسیٰؑ اور ہارون کے پروردگار پر﴿١٢٢﴾ فرعون نے کہا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بے شک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔ سو عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لوگے﴿١٢٣﴾ میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھوا دوں گا﴿١٢٤﴾ وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں﴿١٢٥﴾ اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے پروردگار ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں (ماریو تو) مسلمان ہی ماریو﴿١٢٦﴾ (الاعراف، 120-126)

(فرعون) بولا کہ پیشتر اس کے میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے۔ بے شک وہ تمہارا بڑا (یعنی استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں (جانب) خلاف سے کٹوا دوں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوا دوں گا (اس وقت) تم کو معلوم ہو گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے (طہٰ، 71)

جادوگر اس طرح زمین پر گر پڑے جیسے کسی بڑی طاقت نے انہیں پھینکا ہو۔ یہ الفاظ "یقینی طور پر میں تمہارے ہاتھ پاؤں بڑی تعداد میں کاٹ دوں گا" اور "تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا" اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ یا تو توبہ کرنے والے جادوگروں کی تعداد بہت زیادہ تھی یا پھر مصر کے لوگوں میں ان کے کافی پیروکار تھے۔ بائبل کا حوالہ مؤخر الذکر مفروضے کی تصدیق کرتا ہے کہ بہت سے مصریوں نے مصر سے ہجرت میں بنی اسرائیلیوں کا ساتھ دیا: "اور ایک مخلوط اجتماع بھی ان کے ساتھ چلا گیا" (بابِ خروج 12:38)۔

سابقہ جادوگروں کا فرعون کو جواب

وہ بولے کہ ہم تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں﴿١٢٥﴾ اور اس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم ان پر ایمان لے آئے۔ اے پروردگار ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں (ماریو تو) مسلمان ہی ماریو﴿١٢٦﴾ (الاعراف، 125-126)

گناہوں کی معافی کی امید

انہوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں ان پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو دے دیجیے۔ اور آپ (جو) حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں (دے سکتے ہیں)﴿٧٢﴾ ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف

کرے اور (اسے بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا۔ اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے ﴿۷۳﴾ (طٰہٰ،72-73)

انہوں نے کہا کہ کچھ نقصان (کی بات) نہیں ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانے والے ہیں ﴿۵۰﴾ ہمیں امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہمارے گناہ بخش دے گا۔ اس لئے کہ ہم اول ایمان لانے والوں میں ہیں ﴿۵۱﴾ (الشعراء،50-51)

آخرت میں نتائج

جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے۔ جس میں نہ مرے گا نہ جیئے گا ﴿۷۴﴾ اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لئے اونچے اونچے درجے ہیں ﴿۷۵﴾ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا ﴿۷۶﴾ (طٰہٰ،74-76)

یہودیوں پر ظلم وستم میں اضافہ

اور قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰؑ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیجیے گا کہ ملک میں خرابی کریں اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دست کش ہو جائیں۔ وہ بولے کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بے شک ہم ان پر غالب ہیں ﴿۱۲۷﴾ موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔ زمین تو خدا کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے۔ اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے ﴿۱۲۸﴾ وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور آنے کے بعد بھی۔ موسیٰؑ نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ﴿۱۲۹﴾ (الاعراف،127-129)

حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ابتدائی ملاقات کے بعد، فرعون نے عبرانیوں پر ظلم و ستم میں اضافہ کرتے ہوئے ایک شیطانی منصوبہ بنایا اور انہیں اینٹوں کے لئے بھوسے کی گٹھڑی جمع کرنے کا حکم دیا اور ہر روز ایک ہی کوٹہ بار بار تیار کرنے کا حکم دیا۔ کچھ عبرانیوں نے حضرت موسیٰؑ کو جھٹلایا ۔ خدا کے وعدے نے فرعون کے خلاف کارروائی کرنے سے متعلق حضرت موسیٰؑ کے شکوک وشبہات کو دور کر دیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل نے مصیبت میں صبر کا مظاہرہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ کی طرف سے رکھی گئی امید نے انہیں اپنے شکوک وشبہات پر قابو پانے میں ایک بار پھر مدد کی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے یہ الفاظ "خدا دیکھے گا کہ تم کیسے کام کرتے ہو"—وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہارا فیصلہ کرے گا—ایک واضح انتباہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

اپنے گھروں کو عبادت گاہوں میں تبدیل کرنا

اور موسیٰؑ نے کہا کہ بھائیو! اگر تم خدا پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) فرمانبردار ہو تو اسی پر بھروسہ رکھو ﴿۸۴﴾ تو وہ بولے کہ ہم خدا ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال ﴿۸۵﴾ اور اپنی رحمت سے قوم کفار سے نجات بخش ﴿۸۶﴾ اور ہم نے موسیٰؑ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو ﴿۸۷﴾ (یونس،84-87)

"اپنے گھروں کو عبادت گاہوں میں تبدیل کر دو" (یعنی "نماز کی سمت"؛ قبلہ میں بدل دو) – یہ ایک استعارہ ہے جس کا مقصد بنی اسرائیل کو یہ باور کرانا ہے کہ ان کی نجات صرف خدا کے شعور اور اس کی غیر متزلزل بندگی میں ہے۔

فرعون کی طاقت کے خاتمے کے لیے حضرت موسیٰؑ کی دعا

اور موسیٰؑ نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) سازوبرگ اور مال وزر دے رکھا ہے۔ اے پروردگار ان کا مال یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں۔ اے پروردگار ان کے مال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں ﴿۸۸﴾ خدا نے فرمایا کہ تمہاری دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے نہ چلنا ﴿۸۹﴾ (یونس،88-89)

مصریوں پر قدرتی آفات کے مصائب

اور فرعون کے ساتھ (کیا کیا) جو خیمے اور میخیں رکھتا تھا ﴿۱۰﴾ یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے ﴿۱۱﴾ اور ان میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے ﴿۱۲﴾ تو

تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا نازل کیا﴿۱۳﴾ بے شک تمہارا پروردگار تاک میں ہے﴿۱۴﴾(الفجر،10-14)

بائبل کے مطابق، خدا نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو بار بار فرعون کے پاس ایک ہی پیغام کے ساتھ بھیجا کہ: "خداوند یعنی اسرائیل کا خدا کہتا ہے کہ میری قوم کو جانے دو"۔ جب بھی فرعون نے انکار کیا، خدا نے مصریوں کو بڑھتی ہوئی قدرتی آفات جیسے دریائے نیل میں خون، مینڈک، جواں، مکھیاں، مویشیوں کی بیماری، پھوڑے، ژالہ باری، ٹڈیاں اور اندھیرے کی سزا دی۔ فرعون کے پاس نو چکر لگانے کے بعد بالآخر فرعون لرز اٹھا جب موت نے اس کے بیٹے کو لے لیا اور اس نے عبرانیوں کو وہاں سے جانے کا حکم دے دیا۔ فرعون کے بیٹے کی موت کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، کیونکہ ایک معصوم بچے کو اس کے باپ کے گناہوں کی پاداش میں قتل کرنا ناانصافی ہوگی۔ اور فرعون عبرانی مرد بچوں کو قتل کرنے کے اسی گناہ کا مجرم تھا۔

خشک سالی اور پھلوں کی قلت

اور ہم نے فرعونیوں کو قحطوں اور میووں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں﴿۱۳۰﴾ تو جب ان کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں۔ اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰؑ اور ان کے رفیقوں کی بدشگونی بتاتے۔ دیکھو ان کی بدشگونی خدا کے ہاں مقرر ہے لیکن ان میں اکثر نہیں جانتے﴿۱۳۱﴾ (الاعراف،130-131)

سیلاب، ٹڈی، جوئیں، مینڈک اور پانی کا خون میں بدلنا

اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو۔ مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں﴿۱۳۲﴾ تو ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں۔ مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ لوگ تھے ہی گنہگار﴿۱۳۳﴾ اور جب ان پر عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ موسیٰؑ ہمارے لیے اپنے پروردگار سے دعا کرو۔ جیسا اس نے تم سے عہد کر رکھا ہے۔ اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دوگے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے (کی اجازت) دیں گے﴿۱۳۴﴾ پھر جب ہم ایک مدت کے لیے جس تک ان کو پہنچنا تھا ان سے عذاب دور کر دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے﴿۱۳۵﴾ (الاعراف،132-135)

خدا کی طرف "واپسی" کے تصور کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وجود کو سمجھنے کی بدیہی صلاحیت انسانی فطرت میں شامل ہے، اور خدا سے "منہ موڑنا" صرف روحانی انحطاط کا نتیجہ ہے، اصل رجحان یا رغبت کا نتیجہ نہیں ہے۔ اوپر بیان کردہ "مصائب" کا تعلق ان آفتوں سے ہے جو باغی مصریوں کو متاثر کرتی تھیں۔

(VII) مصر سے بنی اسرائیل کا خروج

یہودیوں کو غلام بنانے کے لیے فرعون کا دفاع

اور ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو رات کو لے نکلو کہ (فرعونیوں کی طرف سے) تمہارا تعاقب کیا جائے گا﴿۵۲﴾ تو فرعون نے شہروں میں نقیب روانہ کئے﴿۵۳﴾ (اور کہا) کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہے﴿۵۴﴾ اور یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں﴿۵۵﴾ اور ہم سب باساز و سامان ہیں﴿۵۶﴾ تو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا﴿۵۷﴾ اور خزانوں اور نفیس مکانات سے﴿۵۸﴾ (الشعراء،52-58)

حضرت یوسفؑ کے بعد بنی اسرائیل نے چند نسلوں تک خوشحالی اور باوقار ریاست کا لطف اٹھایا۔ پھر، ایک نئے مصری خاندان نے انہیں ان کی دولت سے محروم کر دیا اور انہیں اس غلامی تک محدود کر دیا جس سے حضرت موسیٰؑ نے انہیں آزاد کروانا تھا۔ فرعون نے مصریوں کی (حقیقی یا مبینہ) ناپسندیدگی پر زور دے کر اسرائیلیوں پر اپنے ظلم و ستم کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ قرآن اس نفسیاتی حقیقت کی وضاحت کرتا ہے کہ ایک غالب قوم اس گروہ کی آزادی کی خواہش کو نہیں سمجھ سکتی جس پر وہ ظلم کرتی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی سرکشی کو ان کی غیر معقول نفرت اور طاقتوروں سے ان کے اندھے حسد سے منسوب کرتے ہیں۔ آخرکار، فرعون نے عبرانیوں کو وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا لیکن بعد میں تمام شہروں میں اپنی فوجیں جمع کرنے اور عبرانیوں کا تعاقب کرنے کے لیے جاسوس بھیجے۔ مصری فوج نے انہیں سمندر میں گھیر لیا۔ اور مشرق کی طرف ان کا راستہ روک دیا۔

سمندر کی تقسیم

تو انہوں نے سورج نکلتے (یعنی صبح کو) ان کا تعاقب کیا ﴿۶۰﴾ جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰؑ کے ساتھی کہنے لگے کہ ہم تو پکڑ لئے گئے ﴿۶۱﴾ موسیٰؑ نے کہا ہر گز نہیں میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے رستہ بتائے گا ﴿۶۲﴾ اس وقت ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ تو دریا پھٹ گیا۔ اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ (ہے) ﴿۶۳﴾ اور دوسروں کو وہاں ہم نے قریب کر دیا ﴿۶۴﴾ اور موسیٰؑ اور ان کے ساتھ والوں کو تو بچا لیا ﴿۶۵﴾ پھر دوسروں کو ڈبو دیا ﴿۶۶﴾ (الشعراء، 60-66)

پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔ خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) ﴿۷۷﴾ خضر نے کہا اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی۔ (مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں ﴿۷۸﴾ (طہٰ، 77-78)

تو خدا نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا (النازیات، 25)

بائبل کے بیان (بابِ خروج 14:21) کے مطابق، "خُدا نے ساری رات ایک تیز مشرقی ہوا کے ذریعے سمندر کو واپس کر دیا اور پانی تقسیم ہو گیا"۔ فقرہ "انہیں مغلوب کرنا" اس عذاب کی ناگزیریت کو ظاہر کرتا ہے جس نے فرعون کی فوج کو گھیر لیا تھا۔

فرعون کی آخری گھڑی میں بے کار توبہ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اس کے لشکر نے سرکشی اور تعدی سے ان کا تعاقب کیا۔ یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آ پکڑا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں ﴿۹۰﴾ (جواب ملا کہ) اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا ﴿۹۱﴾ تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لئے عبرت ہو۔ اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں ﴿۹۲﴾ اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کو عمدہ جگہ دی اور کھانے کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں لیکن وہ باوجود علم ہونے کے اختلاف کرتے رہے۔ بے شک جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا ﴿۹۳﴾ (یونس، 90-93)

فرعون نے مرنے کے وقت توبہ کی، لیکن توبہ کرنے میں بہت دیر ہو چکی تھی (دیکھیں 4:18: "جو برے کام کرتے ہیں اور پھر آخری گھڑی میں کہتے ہیں، اب میں توبہ کرتا ہوں، ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی ")۔ یہ الفاظ " تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے،" قدیم مصری روایت کی طرف بھی اشارہ ہیں جس میں ان کے بادشاہوں اور امراء کی لاشوں کو خوشبو اور مصالحہ لگا کر آنے والی نسلوں کے لئے ان کو محفوظ کر دیا جاتا تھا۔

فرعون کے لوگوں کی مثال

جیسا حال فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا کہ) انہوں نے خدا کی آیتوں سے کفر کیا تو خدا نے ان کے گناہوں کی سزا میں ان کو پکڑ لیا۔ بے شک خدا زبردست اور سخت عذاب دینے والا ہے ﴿۵۲﴾ یہ اس لیے کہ جو نعمت خدا کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں خدا اسے نہیں بدلا کرتا۔ اور اس لیے کہ خدا سنتا جانتا ہے ﴿۵۳﴾ جیسا حال فرعونیوں اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا) انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونیوں کو ڈبو دیا۔ اور وہ سب ظالم تھے ﴿۵۴﴾ جانداروں میں سب سے بدتر خدا کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۵۵﴾ (الانفال، 52-55)

پیراگراف کے آخری جملے میں کہا گیا ہے کہ کسی بھی اخلاقی رائے پر ایمان لانے کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ وہ اس کی خوبیوں پر غور کرے اور جو کچھ بھی اس کا ذہن فیصلہ کرے اس کی سچائی کو تسلیم کرے جو سچائی دوسرے تجرباتی یا فطری طور پر قائم حقائق سے مطابقت رکھتی ہو۔

برائی کے آثار قدیمہ

تو ہم نے اُن کو اور اُن کے لشکروں کو پکڑ لیا اور دریا میں ڈال دیا۔ سو دیکھ لو ظالموں کا کیسا انجام ہوا ﴿۴۰﴾ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا وہ (لوگوں) کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن اُن کی مدد نہیں کی جائے گی ﴿۴۱﴾ اور اس دنیا سے ہم نے اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بد حالوں میں ہوں گے ﴿۴۲﴾ (القصص، 40-42)

وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے ﴿۲۵﴾ اور کھیتیاں اور نفیس مکان ﴿۲۶﴾ اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے ﴿۲۷﴾ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا ﴿۲۸﴾ پھر ان پر نہ تو آسمان کو اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت ہی دی گئی ﴿۲۹﴾ (الدخان، 25-

(29

اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے اور وہ جو الٹی بستیوں میں رہتے تھے سب گناہ کے کام کرتے تھے ﴿۹﴾ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو خدا نے بھی ان کو بڑا سخت پکڑا ﴿۱۰﴾ (الحاقہ، 9-10)

فرعون کا بطور "برائی کے آثار قدیمہ" کا حوالہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جھوٹا غرور اور تکبر دماغ کے "شیطانی" رویے ہیں، جس کی مثال قرآن مجید میں بار بار شیطان کی خدا کے خلاف علامتی "بغاوت" کے ذریعے دی گئی ہے (دیکھیں 2:34 اور 15:41)۔ یہ باطنی طور پر گناہ ہیں، اور شیطانی محرکات برے اعمال اور انسان کی روحانی صلاحیت کو کمزور یا حتیٰ کہ تباہ کرنے کا باعث بنتی ہیں، جو آخرت میں مصائب کا باعث ہوں گی۔ "لعنت" کی اصطلاح بنیادی طور پر تمام اچھائیوں اور مناسب چیزوں سے دوری کی طرف اشارہ کرتی ہے- یعنی وہ لوگ جو اپنے اعمال کی وجہ سے خود کو خدا کے فضل سے دور کر چکے ہوں گے۔ اس دنیا میں ان لوگوں کی پیروی کرنے پر لعنت وہ توہین آمیز مفہوم ہے جو عالمگیر طور پر "فرعونی" صفت کو دیا جاتا ہے۔

آخرت کے مصائب

غرض خدا نے موسیٰؑ کو ان لوگوں کی تدبیروں کی برائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو برے عذاب نے آگھیرا ﴿۴۵﴾ یعنی) آتش (جہنم) کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جس روز قیامت برپا ہو گی (حکم ہو گا کہ) فرعون والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کرو ﴿۴۶﴾ (غافر، 45-46)

بری قیادت کی اطاعت کرنا

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا ﴿۹۶﴾ (یعنی) فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے۔ اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا ﴿۹۷﴾ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اُتارے گا اور جس مقام پر وہ اُتارے جائیں گے وہ برا ہے ﴿۹۸﴾ اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی)۔ جو انعام ان کو ملا ہے برا ہے ﴿۹۹﴾ (ھود، 96-99)

اس اقتباس کا بنیادی نکتہ بری قیادت کا مسئلہ ہے اور اس سے پیدا ہونے والی غلطیوں کے لئے انسان کی انفرادی اور اخلاقی ذمہ داری ہے جو غلطیاں "اعلیٰ قیادت" کی اطاعت میں سرزد ہوتی ہیں۔ قرآن مجید اس سوال کا جواب اثبات میں دیتا ہے: رہنماء اور اس کی رعایا یکساں طور پر مجرم ہوتے ہیں۔ کسی کو بھی اس بناء پر ذمہ داری سے بری الذمہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے حکام کی طرف سے دیے گئے احکامات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتا ہے۔

(VIII) دوسری ملاقات کے لیے خدا کے پہاڑ پر واپس جانا

آخر کار حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو "خدا کے پہاڑ" پر لے گئے جہاں خدا پہلی بار جلتی ہوئی جھاڑی میں نمودار ہوئی تھی۔

بنی اسرائیل کو آزادی کی طرف لے جانا

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ۔ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ اس میں ان لوگوں کے لیے جو صابر و شاکر ہیں (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں ﴿۵﴾ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے جو تم پر مہربانیاں کی ہیں ان کو یاد کرو جب کہ تم کو فرعون کی قوم (کے ہاتھ) سے مخلصی دی وہ لوگ تمہیں بُرے عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور عورت ذات یعنی تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی ﴿۶﴾ اور جب تمہارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب بھی سخت ہے ﴿۷﴾ اور موسیٰؑ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو خدا بھی بے نیاز (اور) قابل تعریف ہے ﴿۸﴾ (ابراہیم، 5-8)

جمع کے صیغے — یعنی خدا کے دن — سے پتہ چلتا ہے کہ "دن" جس کے بارے میں قرآن اکثر بات کرتا ہے اس کا انسانی وقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک حتمی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں وقت کے تصور کی نہ کوئی جگہ ہے اور نہ ہی کوئی معنی۔

من و سلویٰ

اے آلِ یعقوب ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور تورات دینے کے لئے تم سے کوہ طور کی داہنی طرف مقرر کی اور تم پر من اور سلویٰ نازل کیا ﴿۸۰﴾ (اور حکم دیا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو دی ہیں ان کو کھاؤ۔ اور اس میں حد سے نہ نکلنا۔ ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہوگیا ﴿۸۱﴾ اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے رستے چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں ﴿۸۲﴾ (طہ، 80-82)
اور بادل کا تم پر سایہ کئے رکھا اور (تمہارے لیے) من وسلویٰ اتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں، ان کو کھاؤ (پیو) مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی (اور) وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے (البقرہ، 57)

علماء نے عبرانیوں کے راستے کا کہا ہے، لیکن ممکنہ امکان یہ ہے کہ خدا کے پہاڑ جبل موسیٰ تک جانے کا راستہ جنوب میں ہے۔ وہاں کا سفر کسی ویران ملک سے گزرا، اور حضرت موسیٰؑ کو پانی اور خوراک کی کمی کے بارے میں تلخ شکایات کا سامنا کرنا پڑا۔ خدا نے اس مشکل سفر کے دوران بنی اسرائیل کو پانی، آسمانی روٹی (من) اور سلویٰ مہیا کیا۔

اصطلاح "من" صحرا کے بعض پودوں سے خارج ہونے والے میٹھے، رال والے مادے کی نشاندہی کرتی ہے اور ہر وہ چیز جو "احسان کے طور پر عطا کی جاتی ہے"، یعنی وصول کنندہ کی طرف سے کسی کوشش کے بغیر اسے عطا کی جاتی ہے۔ اصطلاح سلویٰ کا مطلب صرف "بٹیر" نہیں بلکہ "وہ سب کچھ ہے جو انسان کی تنگدستی کے بعد اسے مطمئن اور خوش کرتا ہے۔" لہٰذا، ان دونوں اصطلاحات کا مجموعہ، معنوی طور پر، حضرت موسیٰؑ کے پیروکاروں کو خدا کی طرف سے آزادانہ طور پر عطا کردہ رزق کا تحفہ ہے۔

عدل وانصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ حد سے زیادہ مغرورانہ برتاؤ نہ کریں اور ان نعمتوں کو اپنی قابلیت سے منسوب نہ کریں۔ خُدا کی مذمت یا غضب اُس ناگزیر عذاب کی ایک تعبیر ہے جو انسان پر اس صورت میں لاگو ہوتا ہے جب وہ جان بوجھ کر خُدا کی ہدایت کو رد کرتا ہے اور عدل کی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔

قرآن (2:57 اور 7:160) میں مصر سے ہجرت کے بعد صحرائے سینا میں بھٹکنے کے دوران بنی اسرائیل کو خدا کی طرف سے "منا (من) اور کوئل [سلویٰ] عطا کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بارہ چشمے

اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل کو) الگ الگ کرکے بارہ قبیلے (اور) بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا۔ اور جب موسیٰؑ سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مار دو۔ تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کرلیا۔ اور ہم نے ان (کے سروں) پر بادل کو سائبان بنائے رکھا اور ان پر من وسلویٰ اتارتے رہے۔ اور (ان سے کہا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم تمہیں دیتے ہیں انہیں کھاؤ۔ اور ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ (جو) نقصان کیا اپنا ہی کیا (الاعراف، 160)

زمین سے اگنے والی خوراک کی طلب کرنا

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے (خدا سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ (انہوں نے لاٹھی ماری) تو پھر اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا۔ (ہم نے حکم دیا کہ) خدا کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو، مگر زمین میں فساد نہ کرتے پھرنا ﴿۶۰﴾ اور جب تم نے کہا کہ موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا تو اپنے پروردگار سے دعا کیجیے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں، ہمارے لیے پیدا کردے۔ انہوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو۔ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو، وہاں جو مانگتے ہو، مل جائے گا۔ اور (آخرکار) ذلت (ورسوائی) اور محتاجی (وبے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوگئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کردیتے تھے۔ (یعنی) یہ اس لیے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے ﴿۶۱﴾ (البقرہ، 60-61)

کیا آپ اپنی آزادی کو ان چھوٹی چھوٹی آسائشوں کے ساتھ تبدیل کرنا چاہیں گے جو آپ کو اپنی مصر کی قید میں حاصل تھیں؟ صحرائے سینا میں گھومنے پھرنے کے دوران، بہت سے یہودیوں نے مصر میں اپنی زندگیوں کے تقابلی تحفظ کی خواہش کے ساتھ پیچھے مڑ کر دیکھا (نمبر 11)۔

خدا کے پہاڑ پر معاہدہ

عبرانیوں پر خدا کا ایک احسان تھا کیونکہ اس نے انہیں مصر کی غلامی سے نجات دلائی تھی۔ خدا کی محبت اور دیکھ بھال کا واحد اور مناسب ردِ عمل اس کی مرضی کی

اطاعت کرنے کا عہد ہو گا۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنے لوگوں کو خیمہ گاہ سے نکال کر خدا کے پہاڑ کے دامن تک پہنچایا۔ پورا پہاڑ دھوئیں میں لپٹا ہوا تھا اور خدا کی موجودگی سے بہت زیادہ لرز رہا تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے بات کی تو، خدا نے انہیں گرج کے ساتھ جواب دیا اور حضرت موسیٰؑ کو پہاڑ کی چوٹی پر بلایا۔ معاہدے کی تقریب میں شرائط کے طور پر دس احکامات تھے۔ ان دس احکامات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1. میں اللہ ہی تمہارا خدا ہوں جو تمہیں ملک مصر سے غلامی کے گھر سے نکال لایا۔ میرے علاوہ پہلے بھی تمہارا کوئی اور خدا نہیں تھا۔
2. تم اپنے لیے کوئی منقش مورت نہ بناؤ۔
3. تم خداوند اپنے خدا کا نام بے مقصد نہ لو۔
4. سبت یعنی عبادت کے دن کو یاد رکھو، تاکہ اسے مقدس دن سمجھا جائے۔
5. اپنے ماں باپ کی عزت کرو۔
6. تم قتل نہ کرو۔
7. تم زنا مت کرو۔
8. تم چوری نہ کرو۔
9. تم جھوٹی گواہی نہ دو۔
10. تم اپنے پڑوسی کے گھر کی لالچ نہ کرو۔

یہ دس احکامات قرآنی تعلیمات سے مطابقت رکھتے ہیں۔

خدا کے پہاڑ پر خدا کی وحی کا نزول

(کوہ) طور کی قسم ﴿۱﴾ اور کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ﴿۲﴾ کشادہ اوراق میں ﴿۳﴾ اور آباد گھر کی ﴿۴﴾ (طور، 1-4)

اے آلِ یعقوب ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات دی اور تورات دینے کے لئے تم سے کوہ طور کی داہنی طرف مقرر کی اور تم پر من اور سلویٰ نازل کیا (طہ، 80)

کشادہ اوراق ہمیشہ انسان کی سمجھ کے لیے کھلے رہتے ہیں۔ طویل عرصے سے قائم رہنے والی عبادت گاہیں اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ انسان نے انسانی شعور کے آغاز سے لے کر اب تک خدا کے وجود کو مستقل طور پر محسوس کیا ہے۔ اور ان کے نبیوں کو دی جانے والی مسلسل اور براہِ راست وحی کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے، لوگوں نے عبادت کے ذریعے خدا کے قریب آنے کی کوشش کی ہے۔

خدا کو دیکھنے کے لیے حضرت موسیٰؑ کی درخواست

اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی۔ اور اس دس (راتیں) اور ملا کر اسے پورا (چلّہ) کر دیا تو اس کے پروردگار کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی۔ اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ میرے (کوہِ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو (ان کی) اصلاح کرتے رہنا ٹھیک اور شریروں کے رستے نہ چلنا ﴿۱۴۲﴾ اور جب موسیٰؑ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر (کوہ طور) پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے کہ اے پروردگار مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) دیکھوں۔ پروردگار نے کہا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔ جب ان کا پروردگار پہاڑ پر نمودار ہوا تو (تجلی انوارِ ربانی) نے اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے اور میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں ان میں سب سے اول ہوں ﴿۱۴۳﴾ (الاعراف، 142-143)

حضرت موسیٰؑ نے پہلی تیس راتیں روحانی تیاری میں گزاریں جن میں روزہ بھی شامل تھا۔ باقی دس میں ان پر شریعت نازل ہوگی۔ عربی استعمال میں، "رات" کے طور پر نامزد مدت میں دن بھی شامل ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا کی وحی کو حاصل کرنے کے لیے پہاڑ کے بہت سے سفر کیے تھے۔ خُدا کے ساتھ اپنی ایک ملاقات میں، حضرت موسیٰؑ نے پوچھا کہ کیا وہ خُدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا واقعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ انسان کا خدا کو دیکھنا ناممکن ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰؑ پہلے ہی ایک مومن تھے، اس لیے ان کے الفاظ "سب سے پہلے تجھ پر ایمان لانے والا ہوں" نہ صرف خدا کے وجود پر یقین دلاتے ہیں بلکہ خدا

کو دیکھنے کے انسان کے ناممکن ہونے کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔

قوانین کی تختیاں

(خدا نے) فرمایا موسیٰؑ میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔ تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجالاؤ ﴿۱۴۴﴾ اور ہم نے (تورات) کی تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا ﴿۱۴۵﴾ (الاعراف، 145-144)

(IX) بنی اسرائیل کا بتوں کی پوجا کی طرف واپس لوٹنا

قدیم مصری مذہب میں، اوسیرس زرخیزی، زراعت، بعد کی زندگی، موت، قیامت، زندگی اور پودوں کا دیوتا تھا۔ قدیم شہر میمفس میں مصری مقدس بیل اپیس کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ دیوتا پتاہ کا اوتار ہے۔ ایک نیا اپیس ہمیشہ اس وقت پیدا ہوتا تھا جب پرانا مر جاتا تھا، اور اس کی روح مردہ کی سلطنت میں اوسیرس میں منتقل ہو جاتی تھی اور اسے اوسیرس-اپیس (گریکو مصری دور کا "سیراپیس") کہا جاتا تھا۔

بتوں کی پوجا کا فتنہ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لیے بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰؑ جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ ہمارے لیے بھی ایک معبود بنادو۔ موسیٰؑ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو ﴿۱۳۸﴾ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں ﴿۱۳۹﴾ (اور یہ بھی) کہا کہ بھلا میں خدا کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تم کو تمام اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے ﴿۱۴۰﴾ (اور ہمارے ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعونیوں (کے ہاتھ) سے نجات بخشی وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی ﴿۱۴۱﴾ (الاعراف، 141-138)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقتباس حضرت موسیٰؑ کی اپنی قوم کو اس بات کی یاد دہانی کروانے کا حصہ ہے کہ خدا نے یہودیوں کے درمیان سے بہت سارے نبی پیدا کیے ہیں اور اس وجہ سے ان کو تمام لوگوں پر فضیلت دی ہے۔

قرآن میں دو واقعات بیان کیے گئے ہیں جن میں بنی اسرائیل نے صدیوں پرانے مصری اثرات کی وجہ سے بت پرستی سے وابستگی کا اظہار کیا۔ پہلا واقعہ حضرت موسیٰؑ کی موجودگی میں صحرا میں گھومنے کے دوران پیش آیا، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل ایسے لوگوں سے ملے جو بتوں کی پوجا کے لیے وقف تھے۔ قرآن یہ نہیں بتاتا کہ وہ کون لوگ تھے۔ ان کا تعلق غالباً ان عرب قبائل کے گروہ سے تھا جن کا بائبل میں عمالیقیوں کے نام سے ذکر کیا گیا ہے، جو فلسطین کے جنوب میں، حجاز کے ملحقہ علاقوں اور جزیرہ نما سینائی کے کچھ حصوں میں آباد تھے۔ دوسرا واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت موسیٰؑ کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل نے سنہری بچھڑے کی پوجا کی۔

قرآن اس نفسیاتی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک ایسی جماعت جو صدیوں کی غلامی کے بعد سیاسی اور سماجی آزادی حاصل کرتی ہے وہ طویل عرصے تک اپنے ماضی کے مایوس کُن اثرات کے تابع رہتی ہے اور فوری طور پر اپنا ایک روحانی اور سماجی نظم و ضبط تیار نہیں کر سکتی۔

سنہری بچھڑے کی عبادت

اور قوم موسیٰؑ نے موسیٰؑ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنالیا (وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے بیل کی آواز نکلتی تھی۔ ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو راستہ دکھا سکتا ہے۔ اس کو انہوں نے (معبود) بنالیا اور (اپنے حق میں) ظلم کیا (الاعراف، 148)

بنی اسرائیل کا سنہری بچھڑا صدیوں پرانے مصری اثرات کا اثر تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ خدا کے پہاڑ پر تھے تو ان کی غیر موجودگی میں بنی اسرائیل نے سونے کا بچھڑا بنانے اور اس کی پرستش شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ سنہری بچھڑے سے خارج ہونے والی "دھیمی آواز" غالباً ہوا کے اثر سے پیدا ہوئی تھی، جیسا کہ کچھ مصری

مندروں کے کھوکھلے مجسموں کے ساتھ ہوا تھا۔

سامری نے انہیں گمراہ کر دیا

اور اے موسیٰؑ تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے آنے میں) کیوں جلدی کی ﴿۸۳﴾ کہا وہ میرے پیچھے (آ رہے) ہیں اور اے پروردگار میں نے تیری طرف (آنے کی) جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو ﴿۸۴﴾ فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے ﴿۸۵﴾ (طہٰ، 83-85)

یہ اقتباس حضرت موسیٰ کے پہاڑ پر چڑھنے کے وقت سے متعلق ہے۔"اے موسیٰؑ... تو نے اپنی قوم کو اتنی جلد بازی میں کیوں پیچھے چھوڑ دیا"- اس کا مطلب یہ ہے کہ آزادی کے بعد ابتدائی مرحلے میں انہیں ان کی رہنمائی کے بغیر تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔

حضرت موسیٰ نے اپنے اس مفروضے کا اظہار کیا کہ بنی اسرائیل ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کی ہدایات پر عمل کریں گے- لیکن یہ یقین غلط ثابت ہوا. زیر بحث سامری ایک مصری تھا جس نے حضرت موسیٰ کے عقیدے کو قبول کیا تھا۔ وہ مصر سے بنی اسرائیل کے نکلنے پر ان کے ساتھ شامل ہوا تھا(دیکھیں 7:124)۔اس سامری نے بنی اسرائیل کو سونے کے بچھڑے کی پوجا سے متعارف کروایا تھا، جو مصری فرقہ ایپس کی نقل تھی۔

حضرت ہارونؑ کی وضاحت

اور جب موسیٰؑ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے۔ تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بداطواری کی۔ کیا تم نے اپنے پروردگار کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا (یہ کہا) اور (شدت غضب سے تورات کی) تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں۔ تو ایسا کام نہ کیجیے کہ دشمن مجھ پر ہنسیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملایئے (الاعراف، 150)

(پھر موسیٰؑ نے ہارون سے) کہا کہ ہارون جب تم نے ان کو دیکھا تھا کہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تم کو کس چیز نے روکا ﴿۹۲﴾ (یعنی) اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ۔ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف (کیوں) کیا؟ ﴿۹۳﴾ کہنے لگے کہ بھائی میری ڈاڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیئے۔ میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا ﴿۹۴﴾ (طہٰ، 92-94)

بائبل کے بیان (بابِ خروج 32:1-5) کے برعکس، قرآن حضرت ہارونؑ پر سونے کا بچھڑا بنانے یا اس کی پرستش کرنے میں حصہ لینے کا الزام عائد نہیں کرتا۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اپنے لوگوں کے درمیان پھوٹ پڑنے کے خوف سے ان کی بُت پرستی کے سامنے غیر فعال رہے۔

بنی اسرائیل کو حضرت ہارونؑ کی تنبیہ

اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔ اور تمہارا پروردگار تو خدا ہے تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو ﴿۹۰﴾ وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰؑ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس کی پوجا پر قائم رہیں گے ﴿۹۱﴾ (طہٰ، 90-91)

میرے حکم کی تعمیل کرو اور سامری کی پیروی نہ کرو۔ یہ بائبل (بابِ خروج 32:1-5) کے اس بیان کے بالکل برعکس ہے، جس میں حضرت ہارونؑ کو سونے کے بچھڑے کو بنانے اور اس کی پوجا کرنے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کے واقعات کی تفصیل

اور موسیٰؑ غصّے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے قوم کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو۔ اور (اس لئے) تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا ﴿۸۶﴾ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلاف نہیں کیا۔ بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا ﴿۸۷﴾ (طہٰ، 86-87)

بابِ خروج 12:35 میں بیان کیا گیا ہے کہ مصر سے جانے سے پہلے، بنی اسرائیل کے لوگوں نے مصریوں سے چاندی اور سونے کے زیورات ادھار لیے تھے۔ یہ قرضہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے اس نیت سے لیا تھا کہ وہ زیورات اس کے اصل مالکان کو واپس نہیں کریں گے۔ بائبل کا بیان (آیت 36) اس بات کی طرف

اشارہ کرتا ہے کہ "انہوں نے ایسا کر کے مصریوں کو برباد کر دیا[یعنی لوٹ لیا]۔" اگرچہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ عہد نامہ قدیم میں اس طرز عمل کی مذمت نہیں کی گئی تھی، لیکن ایسا لگتا ہے کہ آہستہ آہستہ بنی اسرائیل کو ان کے اس ظلم کا اندازہ ہوتا گیا۔ لہٰذا، انہوں نے گناہ سے حاصل کیے گئے زیورات سے چھٹکارا پانے کا فیصلہ کیا۔

سامری نے پگھلے ہوئے سونے سے بچھڑے کا مجسمہ بنایا

تو اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنا دیا (یعنی اس کا) قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی۔ تو لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰؑ کا بھی معبود ہے۔ مگر وہ بھول گئے ہیں (طہ، 88)

یہ بیان "وہ اپنے ماضی کو بھول گیا ہے" فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی طرف اشارہ کرتا ہے، جہاں بُت پرستی کا رواج تھا۔

مادی اشیاء کی پوجا کرنا

اور جب ہم نے تم (لوگوں) سے عہد واثق لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے، اس کو زور سے پکڑو اور جو تمہیں حکم ہوتا ہے (اس کو) سنو تو وہ (جو تمہارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں۔ اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا (گویا) ان کے دلوں میں رچ گیا تھا۔ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارا ایمان تم کو بری بات بتاتا ہے (البقرہ، 93)

جیسے ہی انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے پیش کردہ حقیقی پیغام سے منہ موڑ لیا، وہ مادی اشیاء کی پرستش کرنے لگے، جس کی مثال سنہری بچھڑا ہے۔ بنی اسرائیل کے لوگوں نے یہ الفاظ کہے کہ "ہم نے سن تو لیا ہے، لیکن ہم اس کو نہیں مانتے"، اور ان کا بعد کا رویہ بھی اس بیان کو درست ثابت کرتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے سامری کا مقابلہ کیا

پھر (سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا حال ہے؟﴿۹۵﴾ اس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے فرشتے کے نقش پا سے (مٹی کی) ایک مٹھی بھر لی۔ پھر اس کو (بچھڑے کے قالب میں) ڈال دیا اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا بتایا﴿۹۶﴾ (موسیٰؑ نے) کہا جا تجھ کو دنیا کی زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا رہے کہ مجھ کو ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے گا اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا اس کو دیکھ۔ ہم اسے جلا دیں گے پھر اس (کی راکھ) کو اُڑا کر دریا میں بکھیر دیں گے﴿۹۷﴾ تمہارا معبود خدا ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے﴿۹۸﴾ (طہ، 95-98)

"مجھے ہاتھ نہ لگانا" تنہائی اور سماجی بے راہ روی کی ایک علامتی وضاحت ہے جس میں سامری خود کو محسوس کرتا ہے۔ "میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی" - یا میں نے جو محسوس کیا وہ باقی لوگوں نے محسوس نہیں کیا– یعنی سامری نے کہا کہ، اے موسیٰؑ، آپ کے کچھ عقائد غلط تھے۔

سنہری بچھڑے کی کہانی کا مقصد

سامری نے ایک ماورائی، ناقابل تسخیر خدا کے خیال پر اعتراض کیا اور اس کا خیال تھا کہ لوگوں کے پاس کوئی ٹھوس چیز ہونی چاہیے جس کی عبادت کی جائے۔ سامری کا حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کے ایک حصے کو مسترد کرنا بُت پرستی کی تمام شکلوں کے پس پردہ لاشعوری رجحان کی وضاحت کرتا ہے۔ خدا کے علاوہ کسی اور چیز یا مخلوق کی طرف صفاتِ الٰہی کو منسوب کرنا ایک فضول اور خود فریبی پر مبنی امید ہے کہ خدائی وجود کی ایک ٹھوس تصویر بنا کر نا قابل فہم چیز کو اپنے محدود ادراک کے قریب لایا جا سکتا ہے۔

اس طرح کی تمام کوششیں خدا کے بارے میں انسان کی تفہیم کو روشن کرنے کے بجائے مبہم بناتی ہیں۔ وہ اپنے مقصد کو ناکام بناتے ہیں اور گمراہ عقیدت مند کی روحانی صلاحیت کو تباہ کر دیتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی طرف سے اظہار ندامت

اور جب وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہوگئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہم کو معاف نہیں فرمائے گا تو ہم برباد ہو جائیں گے (الاعراف،149)

اس سے مراد خدا کے پہاڑ سے حضرت موسیٰؑ کی واپسی کے بعد بنی اسرائیل کی توبہ کے بعد کا وقت ہے۔"انہوں نے اپنے ہاتھوں کو پیٹا" یہ ایک شدید پچھتاوے کا محاوراتی جملہ ہے، جو شاید غم یا افسوس کے اظہار کے طور پر ہاتھ پر ہاتھ مارنے ("غلطی محسوس کرنے") سے ماخوذ ہے۔

حضرت موسیٰؑ نے تختیاں برآمد کیں

تب انہوں نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ﴿۱۵۱﴾ (خدا نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنا لیا تھا ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۵۲﴾ اور جنہوں نے برے کام کیے پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار اس کے بعد (بخش دے گا کہ وہ) بخشنے والا مہربان ہے ﴿۱۵۳﴾ اور جب موسیٰؑ کا غصہ فرو ہوا تو (تورات) کی تختیاں اٹھا لیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا وہ ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔ ہدایت اور رحمت تھی ﴿۱۵۴﴾ اور موسیٰؑ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کرکے کوہ طور پر حاضر) ٹل کیے۔ جب ان کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰؑ نے کہا کہ اے پروردگار تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا۔ یہ تو تیری آزمائش ہے۔ اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے ﴿۱۵۵﴾ اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۱۵۶﴾ (الاعراف،151-156)

"اس طرح کی جھوٹی چیز ایجاد کی" سے مراد کوئی بھی ایسی جھوٹی تصویر ہے جو انسان کو ایک خدا کی عبادت سے دور کر دیتی ہے۔ یہ عبارت صفاتِ الٰہی کو کسی بھی ٹھوس یا خیالی چیز یا کسی شخص کے ساتھ منسوب کرنے اور خدا ، اس کی صفات، یا اس کے پیغامات کے بارے میں جھوٹے بیانات دینے سے متعلق وضاحت کرتی ہے۔ بائبل (بابِ خروج 32:19) کے مطابق، موسیٰؑ نے تختیوں کو غصے میں گرا کر توڑ دیا۔ تاہم، قرآنی بیانیے کے مطابق یہ تختیاں سلامت رہتی ہیں۔

ستر بزرگوں کا مغفرت کی دعا کرنا

اور موسیٰؑ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب (کرکے کوہ طور پر حاضر) ٹل کیے۔ جب ان کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰؑ نے کہا کہ اے پروردگار تو چاہتا تو ان کو اور مجھ کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا۔ کیا تو اس فعل کی سزا میں جو ہم میں سے بے عقل لوگوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا۔ یہ تو تیری آزمائش ہے۔ اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جس کو چاہے ہدایت بخشے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے ﴿۱۵۵﴾ اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی۔ ہم تیری طرف رجوع ہو چکے۔ فرمایا کہ جو میرا عذاب ہے اسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ﴿۱۵۶﴾ (الاعراف،155-156)

جس زلزلے نے ستر بزرگوں کو اپنی لپیٹ میں لیا اس کی وجہ سے ان پر شدید ندامت اور خدا کے عذاب کا خوف طاری ہو گیا تھا۔

تمام مومنین کے لیے سبق

اور جب ہم نے ان (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ سائبان تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرتا ہے تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو۔ اور جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو تاکہ بچ جاؤ (الاعراف،171)

قرآن مجید کے مطابق، ان کی کہانی کسی بھی برادری یا وقت کے تمام مومنین کے لئے ایک سبق ہے۔"جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو ہلایا" سے مراد حضرت موسیٰؑ پر شریعت کی وحی کے دوران آنے والا زلزلہ ہے۔

خدا کی طرف سے بُت پرستی کے گناہ کی بخشش

اور جب ہم نے موسیٰؑ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا اور تم ظلم کر رہے تھے ﴿۵۱﴾ پھر اس کے بعد ہم نے تم کو

معاف کر دیا، تاکہ تم شکر کرو﴿۵۲﴾ اور جب ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور معجزے عنایت کئے، تاکہ تم ہدایت حاصل کرو﴿۵۳﴾ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو، تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے، تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا۔ وہ بے شک معاف کرنے والا (اور) صاحب رحم ہے ﴿۵۴﴾ (البقرہ، 51-54)

"وہ معیار جس کے ذریعے سچ اور باطل کا تعین کیا جا سکتا ہے" سے مراد اخلاقی تشخیص کی صلاحیت ہے، جو ہر اس انسان کو ممتاز کرتی ہے جو خدا کے بارے میں حقیقی طور پر باشعور ہے۔ یہ الفاظ "اپنے تئیں ہلاک کر ڈالو" علامتی طور پر استعمال کیے گئے ہیں، یعنی "اپنے آپ کو خود مار ڈالو"۔

(X) خدا کے پہاڑ سے ٹرانس جارڈن تک کا سفر

کنعان میں جاسوس بھیجنا

اور خدا نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں ہم نے بارہ سردار مقرر کئے پھر خدا نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور خدا کو قرض حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو بہشتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا﴿۱۲﴾ تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے﴿۱۳﴾ (المائدہ، 12-13)

مندرجہ بالا (نمبر 13 میں) بائبل کے قصے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ خدا نے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا کہ وہ بارہ قبیلوں میں سے ہر ایک میں سے ایک سرکردہ شخصیت کو کنعان کی سرزمین میں جاسوسی کے لیے بھیجیں، اس سے پہلے کہ وہ بنی اسرائیل پر حملہ کریں۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کی قریب بغاوت کنعان میں بسنے والے طاقتور قبائل کے خوف کی وجہ سے ہوئی (نمبر 14)۔ پختہ عہد کا تعلق خدا کے احکامات کی اطاعت سے تھا، خدا پر ان کا بھروسہ ناکافی ہونے کی وجہ سے انہوں نے اپنے حلف کی خلاف ورزی کی تھی۔

کنعانیوں سے لڑنے سے انکار

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو تم پر خدا نے جو احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا﴿۲۰﴾ تو بھائیو! تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے خدا نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے﴿۲۱﴾ وہ کہنے لگے کہ موسیٰؑ! وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں جا نہیں سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم جا داخل ہوں گے﴿۲۲﴾ جو لوگ (خدا سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر خدا کی عنایت تھی کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کر دو جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہارے ہے اور خدا ہی پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو﴿۲۳﴾ وہ بولے کہ موسیٰؑ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے (اگر لڑنا ہی ضرور ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے﴿۲۴﴾ (المائدہ، 20-24)

"تمہیں اپنے لوگوں کا سردار بنایا" (یعنی، "تمہیں بادشاہ بنایا")۔ بنی اسرائیل کی "بادشاہت" ان کی مصری غلامی کے بعد ان کی آزادی اور خود مختاری کی طرف ایک علامتی اشارہ ہے۔ "بادشاہ" کی اصطلاح یہاں ایک آزاد آدمی کے مترادف ہے جو اپنے معاملات کا خود مالک ہوتا ہے اور اس لیے وہ جس طرز زندگی کا انتخاب کرنا چاہے اسے اختیار کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کے طور پر ان سے اپیل کی۔ بنی اسرائیل کا مقدس سرزمین میں داخل ہونے سے انکار اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ انہوں نے "اپنے عہد کی خلاف ورزی" کی تھی اور خدا پر اپنے ایمان سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ نمبر 13:32-33 اور نمبر 14 اس دہشت کو بیان کرتے ہیں جس نے بنی اسرائیل کو بارہ سکاؤٹس کی رپورٹ اور ان کی بزدلی اور ایمان کی کمی کی سزا سن کر مغلوب کر دیا تھا۔ بائبل کے مطابق (نمبر 14:6-9، 24، 30، اور 38)، خدا سے ڈرنے والے دو آدمی جوشوا اور کالب تھے، جو ان بارہ جاسوسوں میں شامل تھے جو کنعان کی جاسوسی کے لئے بھیجے گئے تھے، انہوں نے تب دہشت زدہ بنی اسرائیل کو خدا پر بھروسہ کرنے کے لئے قائل کرنے کی کوشش کی تھی۔ بنی اسرائیل کی یہ کہانی، جو

قرآن مجید میں اکثر بیان کی گئی ہے، حقیقی، بے لوث ایمان اور دنیاوی خود غرضی کے درمیان فرق کو واضح کرتی ہے۔

چالیس سال تک بھٹکنا

موسیٰؑ نے (خدا سے) التجا کی کہ پروردگار میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے ﴿۲۵﴾ خدا نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دیا گیا (کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو ﴿۲۶﴾ (المائدہ، 25-26)

خدا کے پہاڑ کو چھوڑنے کے بعد، حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کی طرف سے بڑھتی ہوئی مزاحمت اور مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جاسوسوں کی مایوس کن رپورٹ نے موسیٰؑ کی شمال کی طرف بڑھنے اور کنعان کی سرزمین کو فتح کرنے کی خواہش کو ناکام بنا دیا۔ جب انہوں نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ اپنے اقدامات پر نظر ثانی کریں تو انہوں نے ان پر پتھراؤ کیا۔ ٹرانس جارڈن میں، حضرت موسیٰؑ کو محفوظ راستہ دینے سے انکار کر دیا گیا، اور اسرائیلیوں اور مقامی بادشاہوں کے درمیان مختلف لڑائیاں ہوئیں۔ حضرت موسیٰؑ کوہ پسگاہ پر ایک اہم مقام پر چڑھ گئے اور اردن کی وادی میں پہنچ کر وعدہ شدہ سرزمین کو دیکھا۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد ان کا انتقال ہو گیا، اور ان کی موت اور تدفین کے حالات اب بھی راز میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے خود کبھی وعدہ شدہ سرزمین میں قدم نہیں رکھا۔ وعدہ شدہ سرزمین کی سرحد پر پہنچنے سے پہلے، بنی اسرائیل جنگل بیابان میں چالیس سال تک بھٹکتے رہے۔

یہودیوں کے لیے وعدہ شدہ زمین

اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل کو) الگ الگ کرکے بارہ قبیلے (اور) بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا۔ اور جب موسیٰؑ سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مار دو۔ تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ اور ہم نے ان (کے سروں) پر بادل کو سائبان بنائے رکھا اور ان پر من وسلویٰ اتارتے رہے۔ اور (ان سے کہا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم تمہیں دیتے ہیں انہیں کھاؤ۔ اور ان لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ (جو) نقصان کیا اپنا ہی کیا ﴿۱۶۰﴾ اور (یاد کرو) جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھانا (پینا) اور (ہاں شہر میں جانا تو) حِطَّۃٌ کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا۔ ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔ اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ﴿۱۶۱﴾ مگر جو ان میں ظالم تھے انہوں نے اس لفظ کو جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لیے کہ ظلم کرتے تھے ﴿۱۶۲﴾ (الاعراف، 160-162)

اصطلاح "فلسطین" اصل میں موجودہ تل ابیب کے تقریباً جنوب میں، فلسطینیوں کے زیر قبضہ کنعان کے جنوبی ساحلی میدان میں زمین کے ایک چھوٹے سے علاقے کا نام تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے انتقال کے بعد جوشوا نے بنی اسرائیل کی قیادت سنبھالی۔ اس کی قیادت میں کنعان کی سرزمین فتح ہوئی جس میں جیریکو شہر بھی شامل تھا۔ کنعان کے نام سے جانی جانے والی سرزمین جنوبی شام میں واقع تھی، جو آج اسرائیل، مغربی کنارے، غزہ، اردن اور شام اور لبنان کے جنوبی حصوں پر محیط ہے۔

"اس سرزمین میں آباد" سے مراد فلسطین ہے۔ چنانچہ، بنی اسرائیل کو نصیحت کی گئی تھی کہ وہ عاجزی کے جذبے کے ساتھ (دروازے میں داخل ہو کر) وعدہ شدہ سرزمین پر قبضہ کریں اور یہ نہ سمجھیں کہ سب کچھ ان کی وجہ سے ہوا ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں جس "قول" کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس رویے کا استعارہ ہے جس کا ان سے مطالبہ کیا گیا تھا، اور اس کا دوسرا رخ یہ ہو سکتا تھا کہ خدا کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے تکبر کا جان بوجھ کر مظاہرہ کیا جائے۔

> **پرانے عہد نامے کے مطابق، "اُنہوں نے شہر میں موجود، مرد اور عورت، جوان اور بوڑھے، بیل، بھیڑ اور گدھے تمام چیزوں کو تلوار کی دھار سے تباہ کر دیا۔ اور اُنہوں نے شہر اور اُس میں موجود سب کو آگ سے جلا دیا۔ صرف چاندی، سونا، پیتل اور لوہے کے برتن، وہ خداوند کے گھر کے خزانے میں ڈالتے تھے" (جوشوا 6، 21، اور 24)۔**

بنی اسرائیل عاجزی کے ساتھ وعدہ شدہ سرزمین میں داخل نہیں ہوئے۔ خیر کرنے والا خدا کبھی بھی بے گناہ غیر جنگجو لوگوں کے ایسے وحشیانہ قتل کی اجازت نہیں

دیتا۔ چنانچہ، آسمان سے ایک وبا کو چھوڑ دیا گیا، ان تمام برائیوں کی وجہ سے جو انہوں نے کی تھیں۔

(XI) حضرت موسیٰ اور ان کے پیروکاروں کے لیے ہدایت

(ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰؑ کو کتاب عنایت کی تھی تاکہ ان لوگوں پر جو نیکوکار ہیں نعمت پوری کر دیں اور (اس میں) ہر چیز کا بیان (ہے) اور ہدایت (ہے) اور رحمت ہے تاکہ (ان کی امت کے) لوگ اپنے پروردگار کے رُوبرو حاضر ہونے کا یقین کریں (الانعام،154)

ان الفاظ "اس میں ہر چیز کا بیان اور ہدایت ہے" کا مطلب یہ ہے کہ انہیں جو کتاب عطا کی گئی تھی اس میں ان کے وقت اور ترقی کے مراحل کے مطابق ان کی ضرورت کے تمام قوانین اور احکامات موجود تھے۔ اس سلسلے میں 5:48 میں دیا گیا یہ فقرہ دیکھئے کہ "تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک مختلف قانون اور طرز زندگی مقرر کیا ہے"۔

ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (یعنی قیامت کو بھی) ﴿۵۱﴾ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت اور برا گھر ہے ﴿۵۲﴾ اور ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت (کی کتاب) دی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا ﴿۵۳﴾ عقل والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۵۴﴾ تو صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور صبح وشام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو ﴿۵۵﴾ (المومن،51-55)

جہاں تک لفظ معذرت ("ہر اچھی چیز سے انکار") کا تعلق ہے، اس کا بنیادی مفہوم "علیحدگی" یا "انکار" ہے۔ قرآنی اصطلاح میں (لسان العرب) کے مطابق اس سے مراد "ہر نیکی سے انکار" ہے اور خصوصاً (زمخشری) کے مطابق "خدا کے فضل سے دوری" ہے۔

لہٰذا "بنی اسرائیل میں سے وہ لوگ جو بصیرت سے مالامال تھے "حضرت موسیٰ کے پیغام سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ یہ قرآن کے پیروکاروں کو یاد دلاتا ہے کہ یہ الہامی تحریر ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو بصیرت سے مالامال ہیں، اور ان لوگوں کے لیے بھی جو سوچتے ہیں اور اپنی عقل کو استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے محمد ﷺ پر بھی اپنی وحی نازل کی۔

موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام ہو

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارون پر بھی احسان کئے ﴿۱۱۴﴾ اور ان کو اور ان کی قوم کو مصیبت عظیمہ سے نجات بخشی ﴿۱۱۵﴾ اور ان کی مدد کی تو وہ غالب ہوگئے ﴿۱۱۶﴾ اور ان دونوں کو کتاب واضح (المطالب) عنایت کی ﴿۱۱۷﴾ اور ان کو سیدھا رستہ دکھایا ﴿۱۱۸﴾ اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (خیر باقی) چھوڑ دیا ﴿۱۱۹﴾ کہ موسیٰؑ اور ہارون پر سلام ﴿۱۲۰﴾ بے شک ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۱۲۱﴾ وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۱۲۲﴾ (الصافات،114-122)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ پر احسان ان کی خوبی کے پیش نظر تھا۔ خدا نے تورات نازل کی، جس میں یہودی عقیدے کی پیروی کرنے والوں کے لئے ہدایت اور روشنی تھی (5:44)۔

بنی اسرائیل میں راستباز لوگ

اور قوم موسیٰؑ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں (الاعراف،159)

بنی اسرائیل میں ہمیشہ راستباز لوگ بھی رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس راستبازی کا موازنہ بائبل کی تاریخ میں دکھائے جانے والے باغیانہ گناہوں سے کیا جانا چاہیے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگرچہ بعض ارکان کی غلط حرکتیں بعض اوقات پوری قوم کو مصائب میں مبتلا کر سکتی ہیں، لیکن خدا انسانوں کا فیصلہ انفرادی طور پر کرتا ہے گروہ کی صورت میں نہیں کرتا۔

حضرت موسیٰ پر الزام تراشی

مومنو تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰؑ (کو عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو خدا نے ان کو بے عیب ثابت کیا۔ اور وہ خدا کے نزدیک آبرو والے تھے (الاحزاب،

69)

یہ وہ الزامات ہیں جو کبھی کبھار موسیٰؑ پر ان کے بعض پیروکاروں کی طرف سے لگائے جاتے تھے اور عہد نامہ قدیم میں ان کا ذکر کیا گیا تھا (مثلاً، نمبر 12:1-13)۔ مثال کے طور پر، وہ گستاخانہ مطالبات جن کے بارے میں قرآن بتاتا ہے، مثلاً، "اے موسیٰؑ، ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم خدا کو آمنے سامنے نہ دیکھ لیں" (2:55) یا "تم اور تمہارا خدا آگے جاؤ اور ان سے لڑو!" (5:24)۔

بنی اسرائیل کی طرف سے خدا کو دیکھنے کا مطالبہ

اور جب تم نے (موسیٰؑ) سے کہا کہ موسیٰؑ، جب تک ہم خدا کو سامنے نہ دیکھ لیں گے، تم پر ایمان نہیں لائیں گے، تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے ﴿۵۵﴾ پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تم کو از سرِ نو زندہ کر دیا، تاکہ احسان مانو ﴿۵۶﴾ (البقرہ، 55-56)

قرآن یہ نہیں بتاتا کہ اس "بجلی کی گرج" نے کیا شکل اختیار کی، لیکن اس میں شدت اور ناگہانی کا عنصر شامل تھا۔ لفظ "مردہ" ہمیشہ جسمانی موت کو ظاہر نہیں کرتا۔ بعض سیاق وسباق میں، اس کا مطلب "حواس کے لحاظ سے مردہ" یا شعوری طور پر مردہ، یا یہاں تک کہ "وہ سو گیا" بھی ہو سکتا ہے۔

بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کا انکار

اور ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور وہ تو اس سے قوی شبہے میں (پڑے ہوئے) ہیں (ھود، 110)

کچھ اسرائیلی متضاد خیالات رکھتے تھے، حضرت موسیٰؑ کے لوگوں میں سے کچھ نے خدائی حکم کو قبول کیا، جب کہ دوسروں نے ان کی تعلیمات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اگر خدا کا یہ حکم نہ ہوتا کہ ان کی سزا کو قیامت تک کے لیے ٹال دیا جائے تو ان کو بھی پرانی قوموں کی طرح، بالکل تباہی سے دوچار کیا جاتا۔ "اے موسیٰؑ، ہم اس وقت تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم خدا کو روبرو نہ دیکھ لیں (2:55)"۔

بدکار لوگوں کا راستہ

اور ہم نے (تورات) کی تختیوں میں ان کے لیے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے زور سے پکڑے رہو اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (مندرج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا گھر دکھاؤں گا ﴿۱۴۵﴾ جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں ان کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا۔ اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر راستی کا رستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) رستہ نہ بنائیں۔ اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنالیں۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے غفلت کرتے رہے ﴿۱۴۶﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا ﴿۱۴۷﴾ (الاعراف، 145-147)

یہ فقرہ "میں آپ کو دکھاؤں گا" عام مفہوم کا حامل ہے اور یہ حضرت موسیٰؑ تک محدود نہیں ہے۔ خُدا کا گنہگاروں کو گناہ کرنے کا "باعث" بننے دینا اُن کے رویے اور اُن کو آزادانہ اختیار دینے کا نتیجہ ہے۔ "وہ لوگ جو... زمین پر ناحق مغرورانہ برتاؤ کرتے ہیں" سے مراد وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ صحیح اور غلط کے بارے میں صرف ان کا فیصلہ ہی درست ہے۔ وہ اپنے خدشات کو کامل (یعنی نمایاں) اخلاقی معیارات کے مطابق پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

دیکھیں 96:6-7— "انسان جب بھی اپنے آپ کو خود کفیل سمجھتا ہے تو وہ بہت زیادہ مغرور ہو جاتا ہے"۔

قیامت کے دن کسی کو بھی کوئی خصوصی مقام حاصل نہیں ہو گا

اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو۔ پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے (بنی اسرائیل، 104)

"ایک متنوّع ہجوم" بے شمار مختلف عناصر پر مشتمل ہوتا ہے، جس میں اچھے اور برے، مضبوط اور کمزور، خوش قسمت اور بدقسمت عناصر شامل ہیں۔ قرآن اس دعوے کو مسترد کرتا ہے کہ قیامت کے دن کسی بھی گروہ کو خصوصی مقام حاصل ہو گا۔

جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے ہی لئے آرام گاہ درست کرتے ہیں ﴿۴۴﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کو خدا اپنے فضل سے بدلہ دے گا۔ بیشک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ﴿۴۵﴾ اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ خوشخبری دیتی ہیں تا کہ تم کو اپنی رحمت کے مزے چکھائے اور تا کہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تا کہ اس کے فضل سے (روزی) طلب کرو عجب نہیں کہ تم شکر کرو ﴿۴۶﴾ اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر ان کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے سو جو لوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے اُن سے بدلہ لے کر چھوڑا اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی ﴿۴۷﴾ (الروم، 44-47)

مندرجہ بالا آخری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا قصہ، جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے، وحی کے علاوہ محمد ﷺ کے علم میں نہیں آسکتا تھا۔ "پہاڑ کی ڈھلوان" کا دوسرا حوالہ 7:156 میں بیان کردہ خدا کی یقین دہانی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ: "میرا فضل ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے"۔ محمد ﷺ کے مشن "تیرے رب کے فضل کا ایک عمل" کے بعد آنے والے حوالہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ تشریح سب سے زیادہ قابل فہم ہے۔

قارون کا قصہ (جھوٹا غرور اور خود پرست)

پرانے عہد نامہ قدیم (نمبر 16) کے ساتھ قارون کی روایتی شناخت نہ تو مطابقت رکھتی ہے اور نہ ہی قرآنی متن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے - اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اس افسانے کا مقصد ایک اخلاقی سبق کو بیان کرنا ہے، نہ کہ ایک تاریخی داستان کو بیان کرنا۔ یہ قرآن مجید میں دوسری جگہوں (29:39 اور 40:24) پر قارون کی بہت بڑے گنہگار فرعون کے ساتھ قُربت کی بھی وضاحت کرتا ہے۔

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر تعدّی کرتا تھا۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے تھے کہ اُن کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اُٹھانی مشکل ہوتیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا کہ اترائیے مت۔ کہ خدا اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۷۶﴾ اور جو (مال) تم کو خدا نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور جیسی خدا نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔ اور ملک میں طالب فساد نہ ہو۔ کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ﴿۷۷﴾ (القصص، 76-77)

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ یہاں تک کہ ایک شخص جو خدا کے سب سے بڑے رسولوں میں سے ایک کا پیروکار رہا تھا وہ بھی جھوٹے غرور اور خود پرستی کے زیرِ اثر گناہ ہو جانے کے امکان سے بالاتر نہیں تھا۔ خزانے کا صندوق اتنا بھاری تھا کہ دس یا اس سے زیادہ (چالیس تک) افراد کا ایک گروہ وہاں استعمال کیا جاتا تھا، جو اس صندوق میں شامل بڑے وزن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ "دوسروں کے ساتھ بھلائی کرو": اس سے مراد خیرات اور نیک مقاصد پر خرچ کر کے سخاوت کرنے کی دعوت دینا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اعتدال سے پیش آنے کی دعوت بھی دینا ہے (2:143 میں بیان کیا گیا ہے: "ہم نے تم کو ایک درمیانی راستے کی جماعت بنانا چاہا")۔

بولا کہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کے زور) سے ملا ہے کیا اس کو معلوم نہیں کہ خدا نے اس سے پہلے بہت سی اُمتیں جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں ہلاک کر ڈالی ہیں۔ اور گنہگاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں پوچھا نہیں جائے گا ﴿۷۸﴾ تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے کاش ایسا ہی ہمیں بھی ملے۔ وہ تو بڑا ہی صاحب نصیب ہے ﴿۷۹﴾ اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس۔ مومنوں اور نیکوکاروں کے لئے (جو) ثواب خدا (کے ہاں تیار ہے وہ) کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملے گا ﴿۸۰﴾ پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہو سکی۔ اور نہ وہ بدلہ لے سکا ﴿۸۱﴾ (القصص، 78-81)

قارون نے کہا کہ میں نے جو دولت جمع کی ہے وہ میرے اپنے تجربے، ہوشیاری اور قابلیت کا نتیجہ ہے، اور اس فقرہ "جو لوگ گناہ میں کھوئے ہوئے ہیں" سے مراد، ایک اصول کے طور پر وہ لوگ ہیں، جو اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اندھے ہیں اور اس لیے، وہ نصیحت کے لیے جوابدہ نہیں۔ زمین کا قارون کو نگل جانا —اور کسی بھی وجہ سے—اس کے تمام دنیوی سامان اور اس کی سابقہ شان و شوکت کو نگل جانا ایک تباہ کن، غیر متوقع نقصان کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

اور وہ لوگ جو کل اُس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت! خدا ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اگر خدا ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ ہائے خرابی! کافر نجات نہیں پا سکتے ﴿۸۲﴾ وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام (نیک) تو پرہیز گاروں ہی کا ہے ﴿۸۳﴾ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے اس سے بہتر (صلہ موجود) ہے اور جو برائی لائے گا تو جن لوگوں نے برے کام کئے ان کو بدلہ بھی اسی طرح کا ملے گا جس طرح کے وہ کام کرتے تھے ﴿۸۴﴾ (القصص،82-84)

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کر دیا) اور اُن کے پاس موسٰی کھلی نشانی لے کر آئے تو وہ ملک میں مغرور ہو گئے اور ہمارے قابو سے نکل جانے والے نہ تھے (العنکبوت،39)

مندرجہ بالا پیراگراف واضح کرتا ہے کہ روحانی قدر حاصل کرنے کے لیے کسی کو دنیاوی شان و شوکت یا خود غرضی کی تلاش نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے بجائے، روحانی قدر بے حسی یا موقع پرستی سے نہیں بلکہ صرف ایک شعوری اخلاقی انتخاب سے حاصل ہوتی ہے۔ قارون، فرعون اور ہامان کے درمیان مشترک فرق ان کا جھوٹا غرور اور تکبر ہے، جس کی وجہ سے وہ برائی کے نمونے بنا دیے گئے (28:41)۔

11

حضرت خضرؑ

حضرت موسیٰؑ کا قصہ اور ان کی علم کی تلاش (18:60-82)

ہمارے پاس ایک روایت موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰؑ کی اس لیے سرزنش کی تھی کہ انہوں نے ایک بار یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ تمام انسانوں سے زیادہ دانشمند ہیں۔ مکاشفہ کے ذریعے، انہیں بتایا گیا کہ ایک "خُدا کا بندہ" جو "دو سمندروں کے سنگم" پر رہتا تھا، دانشمندی میں اُن سے کہیں بہتر تھا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اُس آدمی کو ڈھونڈنے کے لیے اپنی بے تابی کا اظہار کیا، تو خدا نے اُنہیں حکم دیا کہ "ایک مچھلی کو ٹوکری میں لے جاؤ" اور اس وقت تک سفر جاری رکھو جب تک کہ مچھلی غائب نہ ہو جائے۔ اس کا غائب ہونا اس بات کا اشارہ تھا کہ مقصد حاصل ہو گیا ہے۔ یہ روایت ہمارے قرآنی تمثیل کا علامتی تعارف ہے جس میں پر اسرار بابا کو الخِضر کہا جاتا ہے، جس کا مطلب ہے "سبز رنگ والا"۔ ایک نام کی بجائے ایک لقب، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی حکمت ہمیشہ تازہ (سبز) اور نا قابل تسخیر تھی۔ وہ ہمارے پاس ایک افسانوی شخصیت تھے جو صوفیانہ بصیرت کی گہرائی کی علامت تھے، جس تک عام انسان کی رسائی ممکن نہیں تھی۔

مچھلی کا غائب ہونا

اور جب موسیٰؑ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں ﴿۶۰﴾ جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنالیا ﴿۶۱﴾ جب آگے چلے تو (موسیٰؑ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ۔ اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے ﴿۶۲﴾ (اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے ساتھ آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا۔ اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔ اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا ﴿۶۳﴾ (موسیٰؑ نے) کہا یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے ﴿۶۴﴾ (الکھف، 60-64)

مذکورہ "مچھلی" ایک قدیم مذہبی علامت ہے، جو ممکنہ طور پر خدائی علم یا ابدی زندگی کی نشاندہی کرتی ہے۔ "دو سمندر" علم کے دو ذرائع یا علم کے دو چشموں کی نمائندگی کرتے ہیں - ایک ظاہری مظاہر کے مشاہدے اور فکری ہم آہنگی کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اور دوسرا ابدیہی، صوفیانہ بصیرت کے ذریعہ - جس کا ملنا حضرت موسیٰؑ کی تلاش کا اصل مقصد تھا۔ روایت کے مطابق، "ان کا خادم" جوشوا تھا، جو حضرت موسیٰؑ کی موت کے بعد بنی اسرائیلیوں کا سردار بننے والا تھا۔ ان کا علامتی "مچھلی" کو بھول جانا شاید انسان کے بار بار بھولنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ خدا تمام علم اور زندگی کا حتمی منبع ہے۔ مچھلی کے غائب ہونے سے اس مقام کی نشاندہی ہوتی ہے جس پر ان کی تلاش ختم ہونی تھی۔

(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا ﴿۶۵﴾ موسیٰؑ نے ان سے (جن کا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں ﴿۶۶﴾ (خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے ﴿۶۷﴾ اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیوں کر سکتے ہو ﴿۶۸﴾ (الکھف، 65-68)

"تم میرے ساتھ رہ کر کبھی صبر نہیں کر سکوگے" یہ ایک اشارہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے نبی نے بھی چیزوں کی اندرونی حقیقت کو مکمل طور پر نہیں سمجھا کیونکہ

ظاہری چیز اور حقیقت ہمیشہ ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ انسان کسی بھی ایسی چیز کو نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا تصور کر سکتا ہے جس کا اس کے اپنے فکری تجربے میں کوئی مقابلہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں استعارہ اور مثالوں کا استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ "سب کچھ مخلوق کے شعور کی پہنچ سے باہر ہے" (الغیب)۔

کشتی میں سوراخ

(موسیٰؑ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پایئے گا۔ اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا ﴿۶۹﴾ (خضر نے) کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں ﴿۷۰﴾ تو دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ (موسیٰؑ نے) کہا کیا آپ نے اس لئے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی ﴿۷۱﴾ (خضر نے) کہا۔ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے ﴿۷۲﴾ (موسیٰؑ نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے ﴿۷۳﴾ (الکھف، 69-73)

ایک نوجوان کا قتل

پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اُسے مار ڈالا۔ (موسیٰؑ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو ناحق بغیر قصاص کے مار ڈالا۔ (یہ تو) آپ نے بری بات کی ﴿۷۴﴾ (خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے ﴿۷۵﴾ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیئے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے ﴿۷۶﴾ (الکھف، 74-76)

دیوار کی تعمیر

پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔ خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ نے کہا اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) (الکھف، 77)

مندرجہ بالا واقعات کا حقیقی مفہوم

خضر نے کہا اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی۔ (مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمہیں بھید بتائے دیتا ہوں ﴿۷۸﴾ (کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گذارہ) کرتے تھے۔ اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تاکہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) ﴿۷۹﴾ اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دنوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ (وہ بڑا ہو کر بدکردار ہوتا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے ﴿۸۰﴾ تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچّہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی میں اور محبت میں اس سے بہتر ہو ﴿۸۱﴾ (الکھف، 78-81)

خضرؑ کا "خوف" کا اظہار کرنا ظاہری شواہد یا صوفیانہ بصیرت کے ذریعے حاصل کردہ مثبت علم کی وجہ سے تھا، جس کا امکان بعد میں بہت زیادہ نظر آرہا تھا۔

اور وہ جو دیوار تھی سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفون) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔ تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے۔ اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے۔ یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکے (الکھف، 82)

دیوار کے نیچے دفن خزانہ ان کی میراث تھا۔ دیوار گر جاتی تو خزانہ بے نقاب ہو جاتا۔ لالچی گاؤں کے لوگ خزانہ چوری کر لیتے؛ انہوں نے تھکے ہوئے مسافروں کی ہر طرح کی مہمان نوازی سے انکار کر کے اپنے حقیقی کردار کا مظاہرہ کیا تھا۔ "میں نے ان میں سے کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا"۔ اُنہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ اعلیٰ سچائی کے جذبے کے تحت کیا گیا— صوفیانہ بصیرت نے ان پر چیزوں کی ظاہری شکل کی حقیقت کو آشکار کیا اور انہیں خدا کے ناقابلِ تصور منصوبے میں ایک باشعور حصہ بنا دیا۔ اس سے آیت 80-81 میں جمع کے صیغے "ہم" کے لفظ کے استعمال کی وضاحت ہوتی ہے اور آیت 82 کے پہلے پیراگراف میں خدا کی

مرضی کے ساتھ ٹھوس انسانی عمل کے براہِ راست تعلق کی وضاحت ہوتی ہے۔

12

حضرت سموئیلؑ، بادشاہ طالوت اور حضرت داؤدؑ

نبی حضرت سموئیلؑ

حضرت سموئیل اسرائیل کی تاریخ میں ایک مذہبی ہیرو، نبی، جج، اور فوجی رہنماء تھے۔ جو شوا کے مرنے کے بعد، اسرائیل کی قوم "قاضیوں کے دور" میں داخل ہو گئی، جب کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی۔ قاضیوں کی کتاب ہمیں بارہ قاضیوں کے بارے میں بتاتی ہے، اور کتاب 1 سموئیلؑ نے مزید دو اور نام متعارف کروائے: ایلی اور سموئیل۔ اس طرح حضرت سموئیل تمام اسرائیل میں ایک رہنماء کے طور پر ظاہر ہوئے۔ انہوں نے جنگ اور قانونی امور میں قیادت کی، لیکن ان کا اختیار مذہبی تھا، اور بنیادی طور پر پیغمبرانہ تھا۔ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں ان کا ایک نبی کے طور پر احترام کیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کو ان کے دائمی دشمنوں، فلسطینیوں، اموریوں، عمالکیوں اور دیگر سامی اور غیر سامی قبائل کی طرف سے اپنے آبائی علاقوں پر بہت سے حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ذیل میں دیئے گئے اقتباسات بیان کرتے ہیں کہ کس طرح خدا نے بنی اسرائیلیوں کو جارحیت کے خلاف اپنا دفاع کرنے کے قابل بنایا۔

طالوت، اسرائیل کا بادشاہ

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰؑ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم خدا کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم راہ خدا میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے (خارج) اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ لیکن جب ان کو جہاد کا حکم دیا گیا تو چند اشخاص کے سوا سب پھر گئے۔ اور خدا ظالموں سے خوب واقف ہے (البقرہ، 246)

نبی حضرت سموئیل نے بائبل میں بیان کردہ قاضیوں کے دور سے بادشاہت کے دور میں منتقلی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ سموئیل میں بیان کردہ پرانے عہد نامے کے مطابق، بنی اسرائیل نے حضرت سموئیل سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کریں تاکہ اسرائیل دوسری قوموں کی طرح ہو جائے۔ حضرت سموئیل ناخوش تھے کیونکہ بادشاہت یہودی روایت کا حصہ نہیں تھی۔ خدا نے حضرت سموئیل کو ایک بادشاہ منتخب کرنے کی اجازت دی اور انہیں حضرت بنیامیؑن کے قبیلے کے ایک لمبے آدمی، طالوت کو منتخب کرنے کی ہدایت کی۔ طالوت متحدہ مملکت اسرائیل (اسرائیل اور یہوداہ) کے پہلے بادشاہ تھے۔ روایات کے مطابق، ان کا دور 11 ویں صدی قبل مسیح کے آخر میں تھا۔ بائبل کے مطابق، طالوت نے عمونیوں، ادومیوں، موآبیوں، عمالکیوں اور فلسطینیوں سے لڑنے کے لیے فوجی دستوں کی صف آرائی کی۔

بادشاہ طالوت بے شمار دولت سے مالامال نہیں تھا

اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ خدا نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔ وہ بولے کہ اسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ خدا نے اس کو تم پر فضیلت دی ہے اور (بادشاہی کے لئے) منتخب فرمایا ہے اس نے اسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن و توش بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور خدا (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے۔ وہ بڑا کشائش والا اور دانا ہے (البقرہ، 247)

اور پیغمبر نے ان سے کہا کہ ان کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسلی (بخشنے والی چیز) ہو گی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰؑ اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے (البقرہ، 248)

یہ فقرہ "اللہ جسے چاہتا ہے اپنی بادشاہی عطا کرتا ہے" قرآنی نظریے کی یاد دہانی کرواتا ہے کہ تمام بادشاہت اور جو کچھ انسان کے پاس ہے وہ صرف اللہ ہی کا ہے، اور انسان اسے صرف اسی کی امانت کے طور پر اپنے پاس رکھتا ہے۔ "فرشتے کا صندوق لانا" ان دو نبیوں، موسیٰؑ اور ہارون کے ذریعہ چھوڑے گئے پائیدار اور دائمی

روحانی ورثے کی خُدا کی الہامی فطرت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

فلسطینیوں کے ساتھ جنگ: طالوت کی فوج کے لیے ضبطِ نفس کا امتحان

غرض جب طالوت فوجیں لے کر روانہ ہوا تو اس نے (ان سے) کہا کہ خدا ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اس میں سے پانی پی لے گا (اس کی نسبت تصور کیا جائے گا کہ) وہ میرا نہیں۔ اور جو نہ پئے گا وہ (سمجھا جائے گا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی ہاتھ سے چلو بھر پانی پی لے (تو خیر۔ جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند شخصوں کے سوا سب نے پانی پی لیا۔ پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اس کے ساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے۔ تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ ان کو خدا کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور خدا استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے (البقرہ، 249)

پانی کے بارے میں طالوت کے حکم سے پتہ چلتا ہے کہ سپاہی خدا پر ایمان رکھنے میں کمزور تھے۔ نہر سے پینے کا علامتی مفہوم یہ ہے کہ اپنے مقصد کے ساتھ انصاف ہونے پر یقین رکھنے کی اس وقت تک کوئی اہمیت نہیں ہے جب تک کہ اس کے ساتھ خود کا ضبطِ نفس شامل نہ ہو۔

حضرت سموئیل نے بادشاہ طالوت کی حمایت کیوں واپس لی؟

حضرت سموئیل نے طالوت کو حکم دیا کہ وہ تورات کی پانچویں کتاب **ڈیوٹرانومی 19-25:17** میں بیان کردہ حکم کی تکمیل کرنے کے لیے عمالکیوں کو "مکمل طور پر تباہ" کر دے۔ ڈیوٹرانومی میں بیان کردہ حکم یہ ہے:

> **"جب تیرا رب خداوند تجھے چاروں طرف سے تیرے دشمنوں سے نجات دے گا، تو جو ملک تیرا رب خداوند تجھے میراث کے طور پر دے گا، تم اُس ملک میں عمالکیوں کی یاد کو آسمان کے نیچے سے مٹا دو گے"۔**
>
> **عمالکیوں کے خلاف مہم کے دوران، بادشاہ طالوت نے عمالکیوں کے بادشاہ اگاج اور ان کے بہترین مویشیوں کو چھوڑ دیا۔ یہ خُداوند کے حکم کی خلاف ورزی تھی، جیسا کہ حضرت سموئیل نے اعلان کیا تھا کہ "... ان کے پاس جو کچھ ہے اسے مکمل طور پر تباہ کر دو اور انہیں نہ بخشو۔ مرد، عورت، شیر خوار بچے اور دودھ پلانے والی عورتیں، بیل اور بھیڑ، اونٹ اور گدھے سب کو مار ڈالو" (کتاب 1 سموئیل 15:3)**

حضرت سموئیل نے طالوت کی نافرمانی کا سامنا کیا اور اسے بتایا کہ خدا نے اسے بادشاہ بنایا ہے اور وہ اسے بادشاہت سے ہٹا بھی سکتا ہے۔ طالوت نے حضرت سموئیل کو بتایا کہ اس نے عمالقیوں کی بہترین بھیڑوں اور بیلوں کو اس لیے بچایا تھا، کیونکہ وہ ان مویشیوں کو خداوند کے لیے قربان کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ حضرت سموئیل نے اگاج کو پھانسی دے دی اور طالوت کو بتایا کہ خدا نے اس کی بادشاہت کو ختم کر دیا ہے۔ یَسّیٰ کا بیٹا حضرت داوٗدؑ، یہوداہ کے قبیلے کا ایک نوجوان چرواہا، اس مقام سے کہانی میں داخل ہوتا ہے۔ خدا نے حضرت سموئیل کے لیے مستقبل کے بادشاہ کے طور پر حضرت داوٗدؑ کو مقرر کیا۔ طالوت کی کہانی زیادہ تر حضرت داوٗدؑ کے ساتھ اس کے بڑھتے ہوئے پریشان کن تعلقات کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔

فلسطینیوں کے خلاف لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں گرفتاری سے بچنے کے لیے طالوت نے اپنی تلوار پر گر کر خودکشی کر لی۔ اس کے تین بیٹے بھی اسی جنگ میں مارے گئے۔ اس کے تخت کی جانشینی کا مقابلہ اس کے چوتھے اور اکلوتے زندہ بچ جانے والے بیٹے اور اس کے داماد حضرت داوٗدؑ نے کیا، حضرت داوٗدؑ بالآخر غالب آ گئے۔ (کتاب 1 سموئیل 31)

حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں جالوت کا قتل

اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل آئے تو (خدا سے) دعا کی کہ اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتحیاب کر﴿۲۵۰﴾ تو طالوت کی فوج نے خدا کے حکم سے ان کو ہزیمت دی۔ اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا۔ اور خدا نے اس کو بادشاہی اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور خدا لوگوں کو ایک دوسرے (پر چڑھائی اور حملہ کرنے) سے ہٹاتا نہ رہتا تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن خدا اہل عالم پر بڑا مہربان ہے ﴿۲۵۱﴾ (البقرہ، 250-251)

فلسطینیوں نے دوبارہ اسرائیل پر حملہ کرنے کی دھمکی دی، اور اس بار اسرائیل کو اپنے نئے ہیرو اور چیمپیئن، دیو قامت جالوت کا طعنہ بھی دیا۔ جالوت نے ایک جنگ کے لیے چیلنج کیا، لیکن اسرائیلیوں میں سے کسی نے بھی اسے قبول نہیں کیا۔ حضرت داؤدؑ کو ایک نوجوان چرواہے کے طور پر بیان کیا گیا ہے جس نے فوج میں اپنے تین بڑے بھائیوں کو کھانا فراہم کرنے گیا اور جالوت کے چیلنج کے بارے میں سنا۔ حضرت داؤدؑ کچھ سپاہیوں سے فلسطینیوں کا مذاق اڑاتے ہوئے بات کرتے ہیں؛ ان کی تقریر وہاں سنی گئی اور ساؤل تک اس کی رپورٹ پہنچ گئی، جس نے حضرت داؤدؑ کو بلایا اور ان کو اپنا چیمپیئن مقرر کر دیا۔ بادشاہ کے ہتھیاروں سے انکار کرتے ہوئے حضرت داؤدؑ نے کھلے عام خدا کی مدد طلب کی اور جالوت کو ایک پتھر مار کر ہلاک کر دیا۔ بنی اسرائیل نے پسپائی اختیار کرنے والے فلسطینیوں پر حملہ کیا اور حضرت داؤدؑ کی فتح کی تعریف کے گُن گاتے ہوئے گھر واپس لوٹ آئے۔ (کتاب 1 سموئیل 17)

حضرت داؤدؑ کی دانشمندی اور حکمت کے فیصلے

(اے پیغمبر) یہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو۔ اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے (اور) بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے﴿۱۷﴾ ہم نے پہاڑوں کو ان کے زیر فرمان کر دیا تھا کہ صبح وشام ان کے ساتھ (خدائے) پاک (کا) ذکر کرتے تھے﴿۱۸﴾ اور پرندوں کو بھی کہ جمع رہتے تھے۔ سب ان کے فرمانبردار تھے﴿۱۹﴾ اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی اور (خصومت کی) بات کا فیصلہ (سکھایا) ﴿۲۰﴾ (ص، 17-20)

دو دعویداروں کی کہانی

بھلا تمہارے پاس ان جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے جب وہ دیوار پھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے﴿۲۱﴾ جس وقت وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجیے۔ ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کا فیصلہ کر دیجیے اور بے انصافی نہ کیجیے گا اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجیے﴿۲۲﴾ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اس کے (ہاں) ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے (پاس) ایک دُنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے﴿۲۳﴾ انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دنبی مانگتا ہے کہ اپنی دنبیوں میں ملا لے بے شک تجھ پر ظلم کرتا ہے۔ اور اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں۔ ہاں جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔ اور داؤد نے خیال کیا کہ (اس واقعے سے) ہم نے ان کو آزمایا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گڑ پڑے اور (خدا کی طرف) رجوع کیا﴿۲۴﴾ تو ہم نے ان کو بخش دیا۔ اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے﴿۲۵﴾ (ص، 21-25)

انبیاء معصوم ہوتے ہیں یا نہیں

ہمارے پاس موجود قدیم ترین ذرائع کے مطابق، کیا خدا کے منتخب کردہ نبی، جو حضرت داؤدؑ کی طرح، حکمت اور عقل مندی سے مالا مال تھے، کبھی گناہ کر سکتے تھے یا نہیں کر سکتے تھے۔ کیا وہ بھی انسانی فطرت میں موجود کمزوریوں کے تابع تھے یا خدائی طور پر کردار کی ایک لازمی پاکیزگی سے مالا مال تھے جس نے انہیں گناہ کرنے سے قاصر بنا دیا تھا؟ حضرت داؤدؑ اور حضرت یونسؑ کی کہانیاں مسلمان علماء کے اس نظریے کے منافی ہیں کہ نبی اپنی فطرت سے گناہ نہیں کر سکتے۔ انبیاء میں پاکیزگی اور غلطی کے بعد بے گناہی اندرونی جدوجہد اور آزمائشوں کا نتیجہ ہوتی ہے، اس لیے یہ پیدائشی خوبی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک اخلاقی کامیابی کو ظاہر کرتی ہے۔

کیا انہوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے یعنی آسمان اور زمین۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں۔ اس میں ہر بندے کے لئے جو رجوع کرنے والا ہے ایک نشانی ہے ﴿۹﴾ اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی۔ اے پہاڑو ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کا مسخر کر دیا) اور ان کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا ﴿۱۰﴾ کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو اور نیک عمل کرو۔ جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں ﴿۱۱﴾ ((سبا،9-11)

خُدا نے حضرت داؤدؑ میں '' نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھ'' یہ جملہ اس کی خوبصورتی کے اعلیٰ احساس (زبور کی شاعری میں بیان کیا گیا ہے) اور اس کی نیکی اور عاجزی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مندرجہ بالا جملے کا ایک متبادل ترجمہ یہ ہو سکتا ہے: "ہم نے لوہے کو ان کے لئے نرم بنا دیا" جو ایک شاعر، جنگجو اور حکمران کی حیثیت سے ان کی شاندار صلاحیتوں کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا ﴿۲۶﴾ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کائنات ان میں ہے اس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا۔ یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں۔ سو کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے ﴿۲۷﴾ (ص،26-27)

مندرجہ بالا بیان، "ہم نے آسمان اور زمین کو خالی از مصلحت پیدا نہیں کیا..." قرآن مجید میں متعدد صورتوں میں آیا ہے۔ یہ یہاں پچھلی آیت میں حساب کے دن کے ذکر کے ساتھ منسلک ہے، اس طرح یہ بیان حضرت داؤدؑ کی کہانی کو ایک خاص پہلو سے اخلاقی تعلیم کے وسیع تر مفہوم کی طرف لے جاتا ہے۔ جو لوگ حق کو جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں وہ اس عقیدے کو مسترد کرتے ہیں کہ کائنات اور انسانی زندگی خاص مصلحت اور مقصد سے وابستہ ہے۔ یہ خیال تمام انفرادی اخلاقی تقاضوں سے انکار کرتا ہے اور روحانی اندھے پن کی طرف لے جاتا ہے، اس لیے آنے والی زندگی میں مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

زبور، حکمت الٰہی کی کتاب

اور جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں تمہارا پروردگار ان سے خوب واقف ہے۔ اور ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت بخشی اور داؤد کو زبور عنایت کی (بنی اسرائیل،55)

تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریق) سلیمان کو سمجھا دیا۔ اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا۔ اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کا مسخر کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور جانوروں کو بھی (مسخر کر دیا تھا اور ہم ہی ایسا) کرنے والے تھے ﴿۷۹﴾ اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک (طرح) کا لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی (کے ضرر) سے بچائے۔ پس تم کو شکر گزار ہونا چاہیئے ﴿۸۰﴾ (الانبیاء،79-80)

اوپر حضرت داؤدؑ پر نازل ہونے والی کتاب زبور، یا "حکمت الٰہی کی کتاب" کا حوالہ دیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی زمینی بادشاہی کی شان و شوکت کو ختم کر دیا تھا۔ اسی طرح، وہ قدرت کی تمام چیزوں کو خدا کے جلال کی تسبیح کرنے کے لئے دعوت دیتے تھے - جیسے قرآنی آیات میں بیان کیا گیا ہے، "سات آسمان اور زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب اس کی لامحدود شان کی تسبیح کرتے ہیں" (17:44)۔ یا "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے خدا کے لامحدود جلال کی تعریف کرتا ہے" (57:1)۔ یہاں "لباس" کی بنیادی اہمیت "خدا کے شعور کا لباس" ہے، جس کے بارے میں قرآن مجید 7:26 میں بات کرتا ہے، جس کا حوالہ پہلے باب 2 میں بھی دیا گیا ہے۔ مندرجہ بالا آیت اس خیال کا اظہار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو سکھایا تھا کہ کس طرح اپنے پیروکاروں کو اس گہرے خدائی شعور سے روشناس کرایا جائے جو انسانوں کو تمام روحانی پریشانیوں اور خوف سے آزاد کرتا ہے، چاہے وہ ایک دوسرے کا خوف ہو یا نامعلوم لاشعوری خوف ہو۔ آخر میں یہ سوال کیا گیا کہ کیا تم شکر گزار ہو؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو خدا کی طرف سے عطا کی جانے والی روحانی نعمت کا مکمل شعور نہیں ہے۔

13

حضرت سلیمانؑ

حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کئے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے (ص، 30)

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم بخشا اور انہوں نے کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضلیت دی ﴿۱۵﴾ اور سلیمان اور داؤد کے قائم مقام ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں (خدا کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز عنایت فرمائی گئی ہے۔ بے شک یہ (اُس کا) صریح فضل ہے ﴿۱۶﴾ (النمل، 15-16)

حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ زیادہ دانشمندانہ تھا

اور داؤد اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئی (اور اسے روند گئی) تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے ﴿۷۸﴾ تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریق) سلیمان کو سمجھا دیا۔ اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا۔ اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کا مسخر کر دیا تھا کہ ان کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور جانوروں کو بھی (مسخر کر دیا تھا اور ہم ہی ایسا) کرنے والے تھے ﴿۷۹﴾ (الانبیاء، 78-79)

اس واقعے کی وضاحت کے لیے ہمیں صرف اصحابِ رسولؐ پر انحصار کرنا چاہیے، کیونکہ نہ تو قرآن اور نہ ہی نبیؐ کا کوئی مستند قول ہم پر اس کی ترجمانی کرتا ہے۔ تاہم، بہت سے صحابہ اور ان کے فوری جانشین (تابعین) نے کہانی کی حقیقت پر مکمل اتفاق کیا، صرف ایک یا دو معمولی تفصیلات میں اختلاف کیا گیا ہے۔ یہ قدیم عربی روایت میں پہلے سے ہی درج تھا۔ اس کہانی کے مطابق بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ رات کو بھٹک کر پڑوسی کے کھیت میں چلا گیا اور اس کی فصل تباہ کر دی۔ بھیڑوں کے ریوڑ کی قیمت نقصان کی قیمت کے تقریباً مساوی تھی۔ حضرت داؤدؑ نے تمام بھیڑوں کو بطور معاوضہ کھیت کے مالک کو دے دیا۔ حضرت داؤدؑ کے جوان بیٹے، حضرت سلیمانؑ نے اس فیصلے کو بہت سخت سمجھا، کیونکہ بھیڑیں مدعا علیہ کے پورے سرمائے کی نمائندگی کرتی تھیں۔ تاہم، یہ نقصان عارضی تھا، جس میں ایک سال سے زیادہ کی فصل کا نقصان نہیں ہوا تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنے والد کو مشورہ دیا کہ کھیت کے مالک کے پاس بھیڑ (دودھ، اون، نوزائیدہ بھیڑ کے بچے وغیرہ) کا عارضی قبضہ اور استفادہ ہونا چاہیے۔

دریں اثنا، ان بھیڑوں کے مالک کو تباہ شدہ کھیت کی اس وقت تک دیکھ بھال کرنی چاہئے جب تک کہ اس کی سابقہ پیداواری صلاحیت بحال نہ ہو جائے۔ اور پھر کھیت اور بھیڑوں کا ریوڑ دونوں اپنے سابقہ مالکان کو واپس کر دینے چاہئیں۔ اس طرح مدعا علیہ کو اس کے سرمائے سے محروم کیے بغیر مدعی کو اس کے نقصان کا پورا پورا معاوضہ مل جائے گا۔ حضرت داؤدؑ نے محسوس کیا کہ اس کے بیٹے کا حل ان کے اپنے حل سے بہتر ہے اور انہوں نے اسی کے مطابق فیصلہ سنا دیا۔ قرآن کے الفاظ میں، خدا نے ان کے فیصلے کی گواہی دی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ زیادہ گہرا تھا لیکن اس نے حضرت داؤدؑ کے اصل فیصلے کے اندرونی انصاف کو غلط ثابت نہیں کیا یا انہیں ان کے انصاف کرنے کی خوبی سے محروم نہیں کیا۔

اخلاقی سچائیوں کو واضح کرنے کے لئے قصص کا استعمال

بعض عالمگیر اخلاقی سچائیوں کے اظہار کے لیے قرآن اکثر قصوں کو مثالوں کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ قدیم زمانے سے ہی حضرت سلیمانؑ سے وابستہ بہت سے شاعرانہ افسانے اسلام کی آمد سے بہت پہلے یہودی، عیسائی اور عربی روایات کا حصہ بن چکے تھے۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس طرح کے اقتباسات کو منطقی طور پر بیان کیا جائے، لیکن یہ غیر ضروری تھا کیونکہ یہ ان لوگوں کے تصور میں بہت گہرائی سے سرایت کر چکے تھے جن کو قرآن میں مخاطب کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کی دانائی اور جادوئی طاقتوں کے افسانوی واقعات نے ایک ثقافتی حقیقت حاصل کر لی تھی، جس نے ان کے افسانوں کی اصلیت کی تصدیق یا تردید کو غیر متعلقہ بنا دیا تھا۔ قرآن کے سیاق وسباق میں، صرف ایک چیز ان افسانوں سے مطابقت رکھتی ہے جو کہ ان میں سے ہر ایک افسانے کے پیچھے موجود روحانی سچائی ہے۔ اس لیے

قرآن انہیں اس نظریے کے لیے ایک ثبوت کے طور پر استعمال کرتا ہے کہ خدا تمام انسانی طاقت اور شان کا حتمی منبع ہے۔ انسانی ذہانت کی تمام کامیابیاں، بھلے ہی وہ بعض اوقات معجزات سے متصل ہوں، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی روحانی اور تخلیقی صلاحیتوں کو ظاہر کرتی ہیں۔

چیونٹیوں کی وادی

اور سلیمان کے لئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور قسم وار کئے جاتے تھے ﴿۱۷﴾ یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ چیونٹیو اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تم کو کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو ﴿۱۸﴾ تو وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تونے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش ہو جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما ﴿۱۹﴾ (النمل،17-19)

غیر مرئی مخلوق یا جن: مکمل تفصیلات کے لیے جلد نمبر سات، "باب الغیب" ملاحظہ کریں۔ 114:6 کے علاوہ، جس میں جنوں کے بارے میں قدیم ترین قرآنی حوالہ موجود ہے، مندرجہ بالا ان میں سب سے پرانی مثال ہے جہاں یہ تصور "غیر مرئی مخلوق" کی ذاتی شکل میں پایا جاتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ فطرت کے بارے میں اپنی تفہیم اور تعریف اور خدا کی سب سے عاجز مخلوق کے لئے اپنی شفقت کو خدا کی نعمت کے طور پر بیان کرتے ہیں، اور یہ چیونٹی کی افسانوی کہانی کا قرآن میں دیا گیا اخلاقی سبق ہے۔

حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سباء

حضرت سلیمانؑ اور ملکہ سباء کی پوری کہانی میں، علامت پرستی اور افسانوی "حقائق" باریک بینی سے جڑے ہوئے ہیں، جو انسانی روح کی بیداری سے لے کر روحانی اقدار کے بتدریج ادراک کے دوران پیدا ہوتے ہیں۔

اور سلیمان اور داؤد کے قائم مقام ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں (خدا کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہر چیز عنایت فرمائی گئی ہے۔ بے شک یہ (اُس کا) صریح فضل ہے (النمل،16)
انہوں نے جانوروں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کیا سبب ہے کہ ہُدہُد نظر نہیں آتا۔ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟ ﴿۲۰﴾ میں اسے سخت سزا دوں گا یا ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے ﴿۲۱﴾ ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہُدہُد آموجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس (شہر) سبا سے ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں ﴿۲۲﴾ (النمل،20-22)

ہُدہُد ایک رنگین پرندہ ہے جو افریقہ، یورپ اور ایشیا میں پایا جاتا ہے، جو اس کے پروں کے مخصوص "تاج" کی وجہ سے منفرد ہے۔ ہُدہُد کو "قتل" کرنے کی دھمکی خالصتاً محاوراتی ہے اور اسے لفظی طور پر نہیں لیا جا سکتا۔ مندرجہ بالا تمثیل ہمیں یاد دہانی کرواتی ہے کہ ادنیٰ ترین ہستی بھی بعض اوقات ایسی چیزوں کو جانتی ہے جن سے حضرت سلیمانؑ بھی اپنی تمام تر دانائی کے باوجود ناواقف ہو سکتے ہیں – ایک ایسی یاد دہانی جس کے ذریعے کسی اور سے زیادہ اہلِ علم شخص کو ہمیشہ سے موجود تکبر کے خطرے کا مقابلہ کرنا چاہئے۔

سورج کی پرستش

میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر بادشاہت کرتی ہے اور ہر چیز اسے میسر ہے اور اس کا ایک بڑا تخت ہے ﴿۲۳﴾ میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم خدا کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے ان کے اعمال انہیں آراستہ کر دکھائے ہیں اور ان کو رستے سے روک رکھا ہے پس وہ رستے پر نہیں آئے ﴿۲۴﴾ (اور نہیں سمجھتے) کہ خدا کو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں ﴿۲۵﴾ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے ﴿۲۶﴾ (النمل،23-26)

ان کے غیر اخلاقی محرکات (اس تناظر میں شیطان کے معنی) نے انہیں اس بات پر قائل کر لیا تھا کہ انسان کی ذمہ داری کے تصور کو ایک ایسی اعلیٰ ہستی کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرنا چاہیے، جو تعریف کے مطابق، انسانی شعور سے بالاتر ہو، بلکہ اس کی بجائے اسے کچھ قابل فہم قدرتی مظاہر کی پرستش کرنی چاہیے۔ تاہم، صرف اللہ تعالیٰ ہی سورج اور دیگر آسمانی اجسام کو طلوع اور غروب کرنے پر قادر ہے، جن اجسام کی سبین – بشمول قدیم زمانے کے تمام سامی لوگ – پرستش کرتے تھے۔ (دیکھیں ابراہیم کی خدا کی تلاش کی کہانی)۔

سباء کی ملکہ کو حضرت سلیمانؑ کا خط

سلیمان نے کہا (اچھا) ہم دیکھیں گے، تو نے سچ کہا ہے یا تو جھوٹا ہے ﴿۲۷﴾ یہ میرا خط لے جا اور اسے ان کی طرف ڈال دے پھر ان کے پاس سے پھر آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں ﴿۲۸﴾ ملکہ نے کہا کہ دربار والو! میری طرف ایک نامہ گرامی ڈالا گیا ہے ﴿۲۹﴾ وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور مضمون یہ ہے کہ شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے ﴿۳۰﴾ (بعد اس کے یہ) کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ ﴿۳۱﴾ (النمل، 27-31)

ہُدہُد کی طرف سے لائی گئی معلومات سبا اور حضرت سلیمانؑ کی سلطنتوں کے درمیان پہلی کڑی تھی۔ ہُدہُد کی کہانی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سبین کے لوگوں نے، سورج کی پرستش کر کے اور اس بات پر قائل ہو کر کہ انہیں خدا کی عبادت نہیں کرنی چاہئے، خدا کے خلاف خود کو بلند کیا۔ لہٰذا، حضرت سلیمانؑ نبی ہونے کے ناطے ان سے اس توہین کو ترک کرنے اور خدا کے نام پر اپنے آپ کو اس کے سپرد کرنے کی دعوت دینے میں حق بجانب تھے۔

بادشاہت فطری طور پر غیر اسلامی چیز ہے

(خط سنا کر) وہ کہنے لگی کہ اے اہل دربار میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو، جب تک تم حاضر نہ ہو (اور صلاح نہ دو) میں کسی کام کو فیصل کرنے والی نہیں ﴿۳۲﴾ وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگجو ہیں اور حکم آپ کے اختیار ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مآل پر) نظر کر لیجئے گا ﴿۳۳﴾ اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے ﴿۳۴﴾ (النمل، 32-34)

جب بادشاہ غلط طریقے سے اپنی رعایا پر قبضہ کرتے ہیں اور زبردستی ان پر مکمل اختیار رکھتے ہیں تو وہ ملک میں فساد پھیلاتے ہیں۔ سباء کی ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کے ساتھ طاقت کے ساتھ نمٹنے کو مناسب طریقہ نہیں سمجھا اور اسے مسترد کر دیا۔ اس کا بیان بادشاہت اور تشدد کے ذریعے حاصل کیے گئے تمام سیاسی اختیارات کی قرآن میں کی گئی مذمت سے مطابقت رکھتا ہے، کیونکہ اس طرح حاصل کیے گئے اختیارات ظلم، مصائب اور اخلاقی بدعنوانی کا باعث بنتے ہیں۔

حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سباء کا تحفہ ٹھکرا دیا

اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں ﴿۳۵﴾ جب (قاصد) سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو، جو کچھ خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے ﴿۳۶﴾ ان کے پاس واپس جاؤ ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی ان میں طاقت نہ ہو گی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے اور وہ ذلیل ہوں گے ﴿۳۷﴾ (النمل، 35-37)

خدا نے حضرت سلیمانؑ کو دنیاوی دولت اور ایمان، حکمت اور دوسرے لوگوں سے پوشیدہ حقائق کے بارے میں بصیرت دی تھی۔ سباء کے لوگوں کی طرف سے اس تحفے نے حضرت سلیمانؑ کو ناراض کر دیا، کیونکہ وہ لوگ صرف مادی چیزوں کو قیمتی سمجھتے تھے اور روحانی اقدار کا کوئی علم نہیں رکھتے تھے۔ جہاں تک سباء کے لوگوں کو حضرت سلیمانؑ کی دھمکی کا تعلق ہے، یہ خدا ہی تھا جس نے اپنے نبی کے ذریعے سباء کے لوگوں کو ان پر ہونے والے حملہ سے خبردار کیا- یعنی بتایا کہ انہیں سزا دی جائے گی- جب تک کہ وہ ایک خدا کی عبادت نہ کرنے کے اپنے گستاخانہ عقیدہ کو ترک نہ کر دیں۔ اس تشریح کو واحد لفظ سے جمع کے صیغے میں اچانک تبدیلی سے کافی مدد ملتی ہے جس طرح حضرت سلیمانؑ نے اوپر والے جملے میں شاندار جمع کا صیغہ "ہم" کا استعمال کر کے اپنے بارے میں بات کی ہے۔

مجھے ملکہ سباء کا تخت لا کر دیا جائے

سلیمان نے کہا کہ اے دربار والو! کوئی تم میں ایسا ہے کہ قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے ﴿۳۸﴾ جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس (کے اٹھانے کی) طاقت رکھتا ہوں (اور) امانت دار ہوں ﴿۳۹﴾ ایک شخص جس کو کتاب الٰہی کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ کے جھپکنے سے پہلے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں۔ جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا پروردگار بے پروا (اور) کرم کرنے والا ہے ﴿۴۰﴾ (النمل، 38-40)

"تخت" کی اصطلاح تسلط یا طاقت کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ اپنے مہمان کا مقابلہ اس کی دکھاوے کی دنیاوی طاقت کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں اور اس طرح اسے یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ اس کا تخت خدا کی حیرت انگیز عظمت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرت سلیمانؑ جانتے تھے کہ کتابِ الٰہی کی طاقت سے ملکہ سباء کے تخت کو کسی بھی جادو سے زیادہ تیزی سے لایا جا سکتا ہے، اس طرح یہ تخت کے آنے والے ظہور کی علامتی نوعیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنی روحانی طاقتوں کو خدا سے منسوب کیا بجائے اس کے کہ وہ خود پر فخر کرتے۔ وقت اور جگہ کا تصور تخلیق پر لاگو ہوتا ہے، خالق پر نہیں۔ پلک جھپکتے ہی پندرہ سو میل سے زیادہ کا فاصلہ طے کر کے ملکہ سباء کے تخت کا نمودار ہونا صرف ایک معجزہ ہی ہو سکتا تھا۔

تخت کی صورت بدلنا

سلیمان نے کہا کہ ملکہ کے (امتحان عقل کے) لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو۔ دیکھیں کہ وہ سوجھ رکھتی ہے یا ان لوگوں میں ہے جو سوجھ نہیں رکھتے ﴿۴۱﴾ جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ کیا آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ تو گویا ہو بہو وہی ہے اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی عظمت شان کا) علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں ﴿۴۲﴾ اور وہ جو خدا کے سوا (اور کی) پرستش کرتی تھی، سلیمان نے اس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی ﴿۴۳﴾ (النمل، 41-43)

حضرت سلیمانؑ ملکہ کو اس کا "تخت" دکھانے کا ارادہ رکھتے تھے — یا اس کے اقتدار کی تصویر دکھانا چاہتے تھے تاکہ وہ خدا پر ایمان اور اخلاقی شعور سے متاثر ہو۔ کیا اس کے تخت کے اتنی دور سے نظر آنے کا ناقابل یقین معجزہ اس کی صحیح رہنمائی کرے گا؟ یہ بات محسوس کرتے ہوئے کہ سباء کے لوگ اس وقت تک عیش و آرام اور دنیاوی طاقت کی محبت سے متاثر ہوتے تھے، حضرت سلیمانؑ نے حکم دیا کہ تخت کی صورت بدل دو تاکہ وہ اسے پہچان نہ سکے اور اس بات کی تصدیق کی جا سکے کہ آیا وہ صرف چیزوں اور واقعات کی ظاہری شکل کو سمجھنے سے مطمئن ہوتی ہے یا ان کی روحانی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔

جب سباء کی ملکہ نے اپنا تخت دیکھا تو اس کی ظاہری شکل نے اسے بے وقوف نہیں بنایا، اور پھر بھی اس نے شک ظاہر کیا کہ یہ وہی تخت ہے جسے وہ پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ شک تمام روحانی نشو نما کی شروعات کا پہلا قدم ہوتا ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا، "وہ ہماری مدد کے بغیر سچائی پر پہنچ چکی تھی"۔ سباء کی ملکہ اور اس کے لوگ آسمانی اجسام کی پوجا کرتے تھے، اور وہ بُت پرست روایات میں پلے بڑھے تھے، جس کی وجہ سے ماضی میں ان کے لیے صحیح راستہ تلاش کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس ثقافتی پسِ منظر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، حضرت سلیمانؑ نے نشاندہی کی کہ اپنے آبائی ماحول سے نکلتے وقت اس کا بیدار ہونا سب سے زیادہ قابل ذکر اور قابل ستائش سمجھا جانا چاہیئے۔

پانی کی بے پناہ وسعت

(پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلیے، جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ سلیمان نے کہا یہ ایسا محل ہے جس میں (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ بول اٹھی کہ پروردگار میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی اور (اب) میں سلیمان کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں (النمل، 44)

پانی کی گہرائی اور بے پناہ وسعت کا مشاہدہ کرنے کے بعد، اس نے اپنی ٹانگیں اس میں گھسنے کے لیے، یا شاید اس میں تیرنے کے لیے ننگی کر دیں، اس طرح بظاہر پانی کی بے پناہ گہرائی میں بہادری کا مظاہرہ کیا۔ یہ اس خوف کا علامتی اشارہ ہے جو انسان اس وقت محسوس کر سکتا ہے جب سچائی کی تلاش اسے اپنے سابقہ سماجی اور ذہنی ماحول کی گرم جوشی اور سکون بخش حفاظت کو چھوڑ کر روحانیت کے نامعلوم دائرے میں قدم رکھنے پر مجبور کرتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے نشاندہی کی کہ بے پناہ وسعت کوئی خطرناک، اتھاہ گہرائی نہیں ہے، جیسا کہ اسے پہلی نظر میں محسوس ہوا تھا۔ پھر بھی، سچائی کی مضبوط، شیشے کی واضح روشنی — اور ظاہری شکل اور حقیقت کے درمیان ہمیشہ سے موجود فرق کے اپنے شعور کے ساتھ — ملکہ سباء نے اپنے روحانی سفر پر پہلا قدم رکھا۔

خوبصورت گھوڑوں سے محبت

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کئے۔ بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (خدا کی طرف) رجوع کرنے والے تھے ﴿۳۰﴾ جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کئے گئے ﴿۳۱﴾ تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردے میں چھپ گیا ﴿۳۲﴾ (بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ۔ پھر ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے ﴿۳۳﴾ (سورہ ص، 30-33)

خوبصورت گھوڑوں سے حضرت سلیمانؑ کی محبت کی کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی تمام حقیقی محبت اس کی تخلیق کردہ خوبصورتی کے احساس اور اس کی تعظیم سے ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ ہمیشہ خدا کے بارے میں سوچتے تھے، جیسا کہ ترتیب میں دی گئی مثال سے واضح ہوتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی روحانی بادشاہت

اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (خدا کی طرف) رجوع کیا ﴿۳۴﴾ (اور) دعا کی کہ اے پروردگار مجھے مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا کر کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو۔ بےشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے ﴿۳۵﴾ (ص، 34-35)

حضرت سلیمانؑ کے تخت پر "ایک دھڑ" ان کے اپنے جسم اور اس کی بادشاہی طاقت کی طرف اشارہ ہے، جو اس وقت تک "بے جان" رہنے کے پابند تھے جب تک کہ خدا کی مرضی کی اخلاقی اقدار ان کی حوصلہ افزائی نہ کرتیں۔ یہ اس پر منحصر ہے کہ وہ ایک ایسی روحانی بادشاہی عطا کرے جس کا کوئی بھی وارث نہ ہو سکے اور اسے حسد یا دنیاوی سازشوں کا سامنا نہ ہو۔

دکھائی نہ دینے والی قوتوں کی تابعداری

اور دیوؤں (کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان) میں سے بعض ان کے لئے غوطے مارتے تھے اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے (الانبیاء، 82)

اَور دیوں کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے ﴿۳۷﴾ اور اَوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ﴿۳۸﴾ (ہم نے کہا) یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کر دو یا (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے ﴿۳۹﴾ اور بے شک ان کے لئے ہمارے ہاں قُرب اور عمدہ مقام ہے ﴿۴۰﴾ (ص، 37-40)

اس کی عاجزی اور دنیاوی عزائم سے منہ موڑنے کے بدلے میں باغی قوتیں [جن کو ہم نے اس کے تابع کر دیا تھا] اس دعا میں ظاہر ہوتی ہیں، "میرے گناہوں کو بخش دے" جیسا کہ اوپر آیت 38:34 میں مذکور ہے۔ شیطان کو "باغی قوتوں" کے طور پر پیش کرنا غیر معمولی طور پر قابل تکبر یا گستاخی ہوگی - اس معاملے میں ، ممکنہ طور پر محکوم اور غلام دشمنوں یا، زیادہ ممکنہ طور پر، فطرت کی بے قابو قوتوں کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔

پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ

اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کا تابع کر دیا تھا اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی۔ اور ان کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنّوں میں سے ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے ﴿۱۲﴾ وہ جو چاہتے یہ ان کے لئے بناتے یعنی قلعے اور مجسمے اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور دیگیں جو ایک ہی جگہ رکھی رہیں۔ اے داؤد کی اولاد (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں ﴿۱۳﴾ (سبا، 12-13)

پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ شاید تانبے اور پیتل کے بہت سے سامان کا حوالہ ہے جو بائبل 2 سرگزشت 4 کے مطابق، حضرت سلیمانؑ نے اپنے نئے تعمیر شدہ ہیکل کے لیے بنایا تھا۔ جن، یا "غیر مرئی مخلوق" اس مقصد کے لیے ان کی مرضی کے تابع تھے۔ 2 سرگزشت 13- 3:10 دیکھیں، جہاں کروبیوں کے مجسموں (تصاویر) کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، 5- 2:4 میں، ایک پگھلے ہوئے سمندر (یعنی بیسن) کی وضاحت کی گئی ہے جو بڑے طول و عرض کا ہے، جو بیلوں کے بارہ مجسموں پر قائم ہے اور اس کا مقصد پادریوں کے دھونے کے لئے پانی جمع کرنا ہے (4:6)۔ مقدس مقامات نئے مندر کے مختلف ہال تھے۔ "اے داؤد کی قوم، شکر گزاری میں محنت کرو": یہ الفاظ، ظاہری طور پر حضرت داؤدؑ کے خاندان سے مخاطب ہیں، لیکن تمام مومنین کے لیے ایک انتباہ تھے کیونکہ یہ سب روحانی طور پر حضرت داؤدؑ کے لوگ تھے۔ بہت کم لوگ حقیقی طور پر شکر گزار ہوتے تھے - یہاں تک کہ ان لوگوں میں سے بھی جو خود کو خدا کا بندہ سمجھتے تھے، کیونکہ حقیقی معنوں میں صرف وہی خدا کا مقروض ہوتا ہے جو اس کا مناسب شکریہ ادا کرنے میں اپنی نااہلی کو محسوس کرتا ہے۔

ہوا کی تابعداری

اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع (فرمان) کر دی تھی جو ان کے حکم سے اس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی تھی (یعنی شام) اور ہم ہر چیز سے خبر دار ہیں (الانبیاء، 81)

پھر ہم نے ہوا کو ان کے زیر فرمان کر دیا کہ جہاں وہ پہنچنا چاہتے ان کے حکم سے نرم نرم چلنے لگتی (ص، 36)

اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کا تابع کر دیا تھا اس کی صبح کی منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی۔ اور ان کے لئے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنّوں میں سے ایسے تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے۔ اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم (جہنم کی) آگ کا مزہ چکھائیں گے (سبا، 12)

زمین کی طرف چلنے والی ہوا بحری جہازوں کے بیڑے کی طرف اشارہ کرتی ہے، جو فلسطین (وہ سرزمین جسے ہم نے برکت دی تھی) میں بے شمار دولت لے کر آئی اور حضرت سلیمانؑ کے مال کو عظیم بنا دیا۔

حضرت سلیمانؑ جادوگر نہیں تھے

اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہدِ سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی، بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور ان باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں۔ اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے، جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں۔ تم کفر میں نہ پڑو۔ غرض لوگ ان سے (ایسا) جادو سیکھتے، جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اور خدا کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا، اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، وہ بری تھی۔ کاش وہ (اس بات کو) جانتے (البقرہ، 102)

لفظ الشیاطین، جسے "برے لوگ" کے طور پر پیش کیا گیا ہے، انسانوں اور انسان کے دل کے اندر موجود برے، غیر اخلاقی محرکات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ بائبل کے اس بیان کی قرآن مجید تردید کرتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ بُت پرستی کے کاموں کے مجرم تھے (ملاحظہ کریں 1 بادشاہ 10- 11:1)۔ وہ جادوئی فنون کے موجد تھے جو ان کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ہاروت اور ماروت کا یہ اعلان ("ہم تو صرف برائی کا فتنہ ہیں: لیکن تم، [خدا کی] سچائی سے انکار نہ کرو!") جادو کی ہر کوشش کو رد کرنے کے لیے انسان کی اخلاقی ذمہ داری کو اجاگر کرتا ہے۔ چاہے جادو کامیاب ہو یا ناکام، اس کا مقصد صرف خدا کی طرف سے قائم کردہ فطرت کے نظام کو سبوتاژ کرنا ہے۔ جہاں تک ہاروت اور ماروت کے لقب کا تعلق ہے تو قرآن مجید کی زیادہ تر تلاوت میں ملاکین ("دو فرشتے") یا مالکین ("دو بادشاہ") کے الفاظ دیے گئے ہیں۔ دونوں میں سے جو بھی پڑھا جائے، سبق کا مطلب ایک ہی رہتا ہے۔ بابل شہر بلاشبہ جادوئی فنون کا گھر تھا، جس کی علامت مشہور شخصیات—شاید بادشاہ—ہاروت اور ماروت تھے۔ اس افسانے کے ساتھ قرآن نے جادو اور جادو کی ہر کوشش اور عمومی طور پر غیبی علوم میں مشغول ہونے کی مذمت کی ہے۔

اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہدِ سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی، بلکہ شیطان ہی کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور ان باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں (یعنی) ہاروت اور ماروت پر اتری تھیں۔ اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے، جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں۔ تم کفر میں نہ پڑو۔ غرض لوگ ان سے (ایسا) جادو سیکھتے، جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ اور خدا کے حکم کے سوا وہ اس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں (یعنی سحر اور منتر وغیرہ) کا خریدار ہوگا، اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، وہ بری تھی۔ کاش وہ (اس بات کو) جانتے ﴿۱۰۲﴾ اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو خدا کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ اے کاش، وہ اس سے واقف ہوتے ﴿۱۰۳﴾ (البقرہ، 102-103)

یہاں مقصد انسان کو متنبہ کرنا ہے- کم از کم اس کے ذمہ دار شخص کے ذہن میں یہ بات ہو - کہ "مافوق الفطرت" معنی رکھنے والے طریقوں سے واقعات پر اثر انداز ہونے کی کوئی بھی کوشش ایک روحانی جرم ہے۔ اس سے ناگزیر طور پر ایسا کام کرنے والے کی روحانی حیثیت کو سب سے زیادہ سنگین نقصان پہنچ سکتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی وفات

پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو ان کے عصا کو کھاتا رہا۔ جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے (سبا،14)

حضرت سلیمانؑ اپنے تخت پر بیٹھے تھے اور اپنے عصاء پر جھکے ہوئے فوت ہو گئے، اور کافی دیر تک کسی کو ان کی موت کا علم نہ ہوا۔ لہٰذا وہ جن، جو ان کے لیے کام کرنے پر مامور تھے، وہ ان کو تفویض کردہ مشکل کاموں کو انجام دیتے رہے۔ تاہم، رفتہ رفتہ، ایک دیمک نے حضرت سلیمانؑ کی لاٹھی کو کھا لیا، اور ان کا جسم، سہارے سے محروم ہو کر زمین پر گر گیا۔ اس کہانی کے خاکے میں— انسانی زندگی کی بے وقعتی، فطری کمزوری، فنا ہونے والی فطرت اور تمام دنیاوی طاقت اور جلال کے خالی پن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وہ غیر مرئی مخلوق محنت جاری نہیں رکھ سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت سلیمانؑ کا ان پر غلبہ ختم ہو گیا ہے۔ اگرچہ کہانی کا تعلق غیر مرئی مخلوق سے ہے، لیکن اس کے اخلاقی سبق کا خلاصہ ایسے بیان میں کیا جا سکتا ہے جو تجرباتی علم فراہم نہیں کر سکتا۔ یہاں پہلی بات یہ ہے کہ تمام تجرباتی علم، بشمول قابل مشاہدہ یا حسابی مظاہر پر مبنی وضع اور مفروضے، کی محدود نوعیت پر زور دیا گیا ہے ۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ صرف علم کے اس محدود ٹکڑوں کی بنیاد پر صحیح طور پر یہ طے کرنا ناممکن ہے کہ ہر صورتِ حال میں کون سا عمل درست ہو گا۔

14

حضرت الیاسؑ ، حضرت الیسعؑ اور حضرت یونسؑ

حضرت سلیمانؑ کی موت کے بعد، ایک قوم دو سلطنتوں، یہوداہ اور اسرائیل میں تقسیم ہوگئی۔ عبرانی نبی حضرت الیاسؑ کا تذکرہ بائبل میں (1 کنگز 17 اور 2 کنگز 1-2) کے طور پر کیا گیا ہے کہ وہ اسرائیل کی شمالی سلطنت میں احب اور احازیاہ کے دورِ حکومت — یعنی نویں صدی قبل مسیح — میں رہتے تھے اور وہ حضرت الیسعؑ کے بعد ان کے جانشین بنے۔

حضرت الیاسؑ یہودی روایت میں ایک بہادر شخصیت تھے۔ وہ بادشاہ اخاب کے سامنے کھڑا ہوئے، جس کی فونیشین بیوی نے یہودی بادشاہی میں بُت بعل کی پوجا شروع کر دی تھی۔ حضرت الیاسؑ نے خدا کے احکامات کی تعمیل اور بُت پرستی کو مسترد کر کے ہر بادشاہ کو پرکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس معیار کے مطابق، یہوداہ کے صرف دو بادشاہوں کے سوا اسرائیل کے تمام بادشاہ ناکام ہو گئے تھے۔ جب حضرت الیاسؑ ریگستان میں اپنے قیام سے واپس آئے، تو وہ الیسع نامی ایک نوجوان کے پاس گئے جو ایک کھیت میں کھیتی کر رہا تھا۔ اس نے حضرت الیسعؑ کو اپنا جانشین بنانے کے لیے اپنے بازو کے نیچے لے لیا۔ قرآن کے قدیم ترین مفسرین میں سے بعض نے بڑے تدبر کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہے کہ "ادریس" حضرت الیاسؑ کا دوسرا نام ہے، بائبل میں جن کا نام ایلیاہ تھا۔

اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو۔ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے ﴿۵۶﴾ اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اُٹھا لیا تھا ﴿۵۷﴾ (مریم، 56-57)

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل (کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے ﴿۸۵﴾ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا۔ بلاشبہ وہ نیکوکار تھے ﴿۸۶﴾ (الانبیاء، 85-86)

اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اُٹھا لیا تھا" یہی جملہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں بھی استعمال کیا گیا ہے (دیکھیں 3:55 اور 4:158)۔ یہ فقرہ، کچھ کرنے کے لئے "اپنے آپ سے عہد کیا" (بالکل نیچے 38:48 میں بھی ہے) اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ کسی چیز یا کسی کام کے لئے ذمہ دار بن گیا۔ اس کا اطلاق تمام انبیاء میں سے ہر نبی پر ہوتا ہے، کیونکہ ہر ایک نے خدا سے غیر مشروط طور پر عہد کیا تھا اور انسان تک اس کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔

بعل کو پکارنا اور خدا کو چھوڑ دینا

اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے ﴿۱۲۳﴾ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ﴿۱۲۴﴾ کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو ﴿۱۲۵﴾ (یعنی) خدا کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے ﴿۱۲۶﴾ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا۔ سو وہ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے ﴿۱۲۷﴾ ہاں خدا کے بندگان خاص (مبتلائے عذاب نہیں) ہوں گے ﴿۱۲۸﴾ اور ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں (باقی) چھوڑ دیا ﴿۱۲۹﴾ کہ اِل یاسین پر سلام ﴿۱۳۰﴾ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں ﴿۱۳۱﴾ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے ﴿۱۳۲﴾ (الصافات، (123-132)

بعل کی اصطلاح (روایتی طور پر یورپی زبانوں میں بال کی ہجے میں لکھا جاتا ہے) پرانی عربی کی تمام شاخوں بشمول عبرانی اور فونیشین میں "مالک" یا "آقا" کی علامت ہے۔ اس کا اطلاق بہت سے مرد دیوتاؤں پر کیا جاتا تھا اور خاص طور پر شام اور فلسطین میں قدیم سامی ان کی پوجا کرتے تھے۔ عہد نامہ قدیم میں، یہ عہدہ بعض اوقات "بت پرستی" کا عام مفہوم رکھتا ہے — ایک ایسا گناہ جس میں، بائبل کے مطابق، ابتدائی اسرائیلی اکثر دوبارہ سے جڑ جاتے تھے۔ پرانے عہد نامے میں، یہ لقب بعض اوقات "بت پرستی" کا عام معنی رکھتا ہے - ایک ایسا گناہ جس کی طرف، بائبل کے مطابق، قدیم زمانے کے بنی اسرائیل اکثر دوبارہ رجوع کر لیتے تھے۔

حضرت الیسعؑ

اور اسمٰعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے (ص، 48)

الیشا، یا عربی میں الیسعؑ، بائبل کے مطابق وہ نبی ہیں جو حضرت الیاسؑ کے بعد آئے۔

حضرت یونسؑ

حضرت یونسؑ نے اپنا مشن ترک کر دیا

اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں (الانبیاء، 87)

پرانے عہد نامے میں حضرت یونسؑ کی کتاب کے مطابق، خدا نے حضرت یونسؑ کو، جو کہ ایک عبرانی تھے، بُرائی کے خلاف تبلیغ کرنے کے لیے غیر ملکی شہر نینواہ، اسیریا بھیجا۔ حضرت یونسؑ کا واقعہ سکھاتا ہے کہ خدا کی رحمت عالمگیر ہے اور کسی نسلی یا مذہبی گروہ تک محدود نہیں ہے۔ ان تینوں مثالوں میں جہاں قرآن مجید میں حضرت یونسؑ کی "عظیم مچھلی" کا واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے، اس میں ایک خاص مضمون موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یونسؑ کی داستان اتنی وسیع پیمانے پر مشہور تھی کہ "عظیم مچھلی" کی تمثیل کا ہر حوالہ خود آشکار سمجھا جاتا تھا۔

لدا ہوا جہاز حضرت یونسؑ کی کہانی کے مرکزی اور علامتی حصے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سب سے پہلے، ان کے لوگوں نے ان کی تبلیغ کو نظر انداز کر دیا، اور انہوں نے خدا کی طرف سے سونپے گئے مشن کو ترک کرتے ہوئے انہیں غصے میں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ جہاز ایک طوفان کی زد میں آگیا اور ڈوبنے ہی والا تھا، اور بحری جہاز والوں نے سب سے کہا، "آؤ قرعہ اندازی کریں، تاکہ ہم جان سکیں کہ یہ بری حالت ہم پر کس کی وجہ سے آئی ہے،" یہ جانچ کا ایک طریقہ کار تھا جس پر حضرت یونسؑ نے اتفاق کیا تھا۔

حضرت یونسؑ نے انہیں بتایا کہ انہوں نے خدا کے مشن کو ترک کر دیا تھا۔ ان کے اس گناہ کی وجہ سے اب وہ سب ڈوبنے کے خطرے سے دوچار تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت یونسؑ کو اُٹھا کر سمندر میں ڈال دیا اور سمندر اپنے بپھرنے سے رک گیا۔ ان کی عارضی سزا اور اس کے بعد نجات اور اس کی تمثیل ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

پھر مچھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ (قابل) ملامت (کام) کرنے والے تھے ﴿۱۴۲﴾ پھر اگر وہ (خدا کی) پاکی بیان نہ کرتے ﴿۱۴۳﴾ تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اسی کے پیٹ میں رہتے ﴿۱۴۴﴾ (الصافات، 142-144)

اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ (اپنی قوم سے ناراض ہو کر) غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے۔ آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصوروار ہوں ﴿۸۷﴾ تو ہم نے ان کی دعا قبول کرلی اور ان کو غم سے نجات بخشی۔ اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں ﴿۸۸﴾ (الانبیاء، 87-88)

پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دیا ﴿۱۴۵﴾ اور ان پر کدو کا درخت اگایا ﴿۱۴۶﴾ اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا ﴿۱۴۷﴾ تو وہ ایمان لے آئے سو ہم نے بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے ﴿۱۴۸﴾ (الصافات، 145-148)

حضرت یونسؑ کو نگلنے والی مچھلی کا اندرونی حصہ ان کے نبوت کے مشن کو ترک کرنے پر روحانی پریشانی کی گہری تاریکی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر انہوں نے خدا کو یاد نہ کیا ہوتا اور توبہ نہ کی ہوتی تو انہیں نجات نہ ملتی۔ صحرا کے کنارے پر، ایک رینگنے والا پودا انہیں سایہ دینے اور سکون دینے کے لیے اُگ آیا۔ حضرت یونسؑ اور مچھلی کی مثالوں کو بیان کرتے ہوئے، قرآن مجید نے علامتی طور پر اللہ تعالیٰ کے انداز کی قابلِ قدر خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو خدا بنجر مٹی سے پودے کو اگانے کا سبب بن سکتا ہے، وہ اسی طرح اندھیرے میں کھوئے ہوئے دل کو بھی روشنی اور روحانی زندگی کی طرف لوٹا سکتا ہے۔ یہ کہانی واضح کرتی ہے کہ چونکہ انسان کو کمزور بنایا گیا ہے (4:28)، اس لیے، حتیٰ کہ انبیاء بھی انسانی فطرت میں موجود تمام خرابیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔

ہدایت الٰہی کی قبولیت، قانون سے استثناء

اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا (الصافات، 147)

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا ہاں یونس کی قوم۔ جب ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا (یونس، 98)

مشن میں ثابت قدمی: نبی حضرت محمد ﷺ کے لیے ایک سبق

تو اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے یونس کی طرح رہونا کہ انہوں نے (خدا) کو پکارا اور وہ (غم و) غصے میں بھرے ہوئے تھے ﴿۴۸﴾ اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی تو وہ چٹیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا ﴿۴۹﴾ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکوکاروں میں کر لیا ﴿۵۰﴾ اور کافر جب (یہ) نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتے ہیں کہ تم کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے اور کہتے یہ تو دیوانہ ہے ﴿۵۱﴾ اور (لوگو) یہ (قرآن) اہل عالم کے لئے نصیحت ہے ﴿۵۲﴾ (القلم، 48-52)

مندرجہ بالا آیات میں، نبی محمد ﷺ کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ وہ مکہ میں ان کے اکثر ہم عصروں کی طرف سے ان کی مخالفت پر مایوسی یا غصے کا شکار نہ ہوں اور اپنے پیغمبرانہ مشن پر ثابت قدم رہیں۔ "اگر وہ ان لوگوں میں سے نہ ہوتا جو اپنی مصیبت کے گہرے اندھیرے میں بھی خدا کے لامحدود جلال کی تعریف کرسکتے ہیں" یعنی جو ہمیشہ خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس سے بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو حضرت یونسؑ توبہ نہ کر پاتے اور ایک گنہگار کی طرح ہی مر جاتے، اور گناہوں کے بوجھ تلے دب جاتے۔

قرآن بتاتا ہے کہ تمام امتوں نے کسی نبی کو بھی فوری طور پر قبول نہیں کیا اور نہ ہی اسکی پیروی کی۔ زیادہ تر لوگوں کے ضد اور انکار کی وجہ سے بہت سی قومیں ہلاک ہو گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں واحد استثنیٰ نینوا کے لوگوں کو حاصل تھا، جنہوں نے پہلے اپنے نبی حضرت یونسؑ کو مسترد کیا اور بعد میں متحد ہو کر اس کی پکار پر لبیک کہا اور نجات پا گئے۔ بائبل میں حضرت یونسؑ کے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، جنہوں نے ماضی کی برادریوں میں سے اکیلے ہی اپنے نبی کی بات مان لی، اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو چکی ہوتی۔ قرآن کے قارئین کے لیے یہ ایک تنبیہ ہے کہ "جن کے خلاف خدا کا کلام سچ ہو چکا ہے" ان کی جانب سے اللہ کے پیغام کو جان بوجھ کر رد کرنے کا نتیجہ ان پر روحانی عذاب اور اس کے نتیجے میں ان کی زندگی میں سنگین مصائب آنے کا باعث بنے گا۔

حوالہ جات

علی، امیر۔ عرب کے خانہ بدوشوں کی مختصر تاریخ۔ بوسٹن: ایڈمینٹ میڈیا کارپوریشن، 2004۔

علی، امیر۔ اسلام کی روح۔ وائٹ فش مونٹانا: کیسنجر پبلشنگ، 2003۔

آرمسٹرانگ، کیرن۔ اسلام کی ایک مختصر تاریخ۔ نیویارک: رینڈم ہاؤس، 2002۔

آرمسٹرانگ، کیرن۔ خدا کے بارے میں ہسٹری۔ نیویارک: بیلنٹائن بکس، 1993۔

اسماء افسر الدین، سید حسین نصر۔ علی مسلم خلیفہ۔ **com.Britanica**

بکینن، پیٹرک۔ مغرب کی موت۔ نیویارک: سینٹ مارٹن گریفن، 2002۔

کارلائل، تھامس۔ ہیرو بطور نبی۔ سیٹل: کریٹ اسپیس انڈیپنڈنٹ پبلشنگ 2011۔

ایسپوزیٹو، جان ایل اسلام۔ سیدھا راستہ۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2010۔

ہیکل، حسین۔ محمدؐ کی زندگی۔ امریکن ٹرسٹ پبلیکیشنز، 2005۔

ہٹی، فلپ کے۔ اسلام: زندگی کا ایک طریقہ۔ ساؤتھ بینڈ انڈیانا، 1970۔

ہولٹ، لیمبٹن، اور لیوس۔ کیمبرج ہسٹری آف اسلام۔ نیویارک، 1970۔

کنسل مین، ڈیوڈ ای۔ عرب اور بازنطین کی جنگ 644- 629 عیسوی۔ ماسٹر آف ملٹری آرٹ اینڈ سائنس اینڈ ملٹری ہسٹری۔

لیوس، برنارڈ۔ کیا غلط ہوا؟ نیویارک: ہارپر پیرینیئل، 2003۔

نیو ورلڈ انسائیکلوپیڈیا۔ علی ابن طالب پارینڈر، جیوفری۔ دنیا کے مذاہب۔ نیویارک، 1971۔

ریڈ فورڈ، میری ایف. یہودی اور اسلامی قانون کے تحت خواتین کے وراثت کے حقوق۔ بوسٹن کالج انٹرنیشنل اور کمپیریٹو لاء ری ویو، جلد 23، شمارہ 23، 2000۔

اسمتھ، ہسٹن۔ انسان کے مذاہب۔ اسلامی باب، صفحہ 224- 193، نیویارک، 1964۔

انسائیکلوپیڈیا برطانیہ (2004): اسلام، شریعت۔ ریڈرز ڈائجسٹ بائبل (1982)۔

مقدس بائبل (منظور شدہ کنگ جیمز ورژن)۔

ایلن، جین۔ جیفرسن کا آزادی کا اعلان، آغاز، فلسفہ اور الہیات۔ لیکسنگٹن، یونیورسٹی آف کینٹکی پریس، 2000۔

انسائیکلوپیڈیا برطانیہ: موسیٰؑ، عیسائیت، یسوع مسیح، انجیل، قسطنطنیہ، اصل گناہ، نجات، سینٹ پال، بائبل لٹریچر، 2004۔

مارک ڈی سلجینڈر: ایک مہلک غلط فہمی — مسلمانوں اور عیسائیوں کی تقسیم کو ختم کرنے کے لیے کانگریس کے ایک رکن کی تلاش۔ سان فرانسسکو: ہارپر وَن، 2008۔

ولیم مائر۔ "خلافت: اس کا عروج، گراوٹ اور زوال"۔